وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَكُمْ
(القرآن)
دستکارانِ اہلِ شرف
تذکرۂ نسّاجین
از
محدّث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی
ناشر
المجمع العلمی
مرکز تحقیقات وخدمات علمیہ
پوسٹ بکس ۱۱، مئو ۲۷۵۱۰۱ (الہند)
KAYKAMAL, MAU

از

محدث جلیل ابو المآثر حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمیؒ

ناشر

مرکز تحقیقات وخدمات علمیہ
پوسٹ بکس ۱۱، مئو ۲۷۵۱۰۱ (الہند)

نام کتاب ———— دست کار اہل شرف
تصنیف ———— حضرت محدث کبیر مولانا حبیب الرحمن الاعظمیؒ
صفحات ———— ۱۶۰
سن اشاعت ———— ۱۴۲۲ھ = ۲۰۰۱ء
طبع دوم ———— ایک ہزار
ناشر ———— المجمع العلمی، مرکز تحقیقات وخدمات علمیہ مئو
قیمت ————

طباعت شیروانی آرٹ پرنٹرز دہلی۔۶ فون: 2943292

ملنے کا پتہ

مرقاۃ العلوم ——— پوسٹ بکس نمبر ۱
مئوناتھ بھنجن۔ ۲۷۵۱۰۱
یوپی۔ انڈیا

فہرست

تتمہ

ضمیمہ

باسمہٖ سبحانہٗ

تمہید

تذکرہ نویسی وسوانح نگاری کا فن وہ فن ہے جس کو مسلم علما نے اس کے نقطۂ عروج تک پہنچایا ہے ہمارے اسلاف نے اس کے ساتھ خاص اہتمام برتا ہے اور اس کو بڑی وسعت و ترقی عطا کی ہے۔ تاریخ و تذکرہ نگاری کے ساتھ مسلمانوں کی دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ خود تاریخ بھی اس پر انگشت بدنداں ہے۔

ہر دور اور ہر زمانے میں ایک ایک موضوع پر نہ جانے کتنی کتابیں وجود میں آئیں۔ ہمارے اسلاف میں سے کسی نے ایک مخصوص خطہ اور علاقہ کو اپنا موضوع بنایا، کسی نے ایک ملک کے حالات تحریر فرمائے کسی نے ایک شہر پر تصنیف و تالیف کے جوہر دکھائے۔ کسی نے ایک صدی کے افراد کو اپنی تصانیف میں زندہ جاوید بنا دیا، علماء، ادباء، فقہاء، محدثین کے حالات پوری دقیقہ رسی، باریک بینی اور امانت و دیانت کے ساتھ صفحۂ قرطاس پر محفوظ کر دیا۔ جس کی برکت سے تاریخ و تذکرہ اور سوانح و تراجم کا ایسا ذخیرہ وجود میں آیا کہ صرف اسی ایک فن سے عظیم الشان کتب خانہ تشکیل دیا جا سکتا ہے۔

محدث و مؤرخ و فقیہ و علامہ حضرت مولانا ابوالمآثر حبیب الرحمٰن الاعظمی قدس سرہٗ کی تصنیف " دست کار اہل شرف " اس کتب خانہ میں ایک بیش قیمت اضافہ ہے۔ یہ کتاب حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی علمی زندگی کے ابتدائی دور میں تحریر فرمائی تھی، لیکن اس کو زیور طباعت سے آراستہ ہونا زندگی کے آخری دور میں مقدر تھا، اس اثناء میں حسب ضرورت آپ نے اس میں بہت سارے اضافے بھی کیے، غالباً حضرت محدث کبیرؒ کا ارادہ صنعت و حرفت سے وابستہ اور دستکاری کرنے والے اہل علم و فن اور ارباب فضل و کمال پر مستقل کتابوں کی تصنیف کا تھا، جس کا مظہر کتاب " دست کار اہل شرف " کا پہلا حصہ " تذکرۃ النساجین " (پارچہ بافوں کا تذکرہ) ہے، مگر اس کے بعد شاید آپ کو ہجوم

اشغال اور دوسرے علمی کاموں سے اتنی فرصت نہ ملی کہ وہ اس موضوع پر قلم اٹھائیں۔

پیش نظر کتاب "دست کار اہل شرف" یعنی "تذکرۃ النساجین" پارچہ باف اصحاب فضل وکمال کے تذکروں پر مشتمل ہے۔ اس کے اندر حضرت محدث کبیرؒ نے سب سے پہلے انبیاء کرام (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے کپڑا بننے کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم) کا تذکرہ ہے، اس کے بعد یہ کتاب الف بائی ترتیب پر (حروف تہجی کے اعتبار سے) ہے۔ اس کا پہلا اڈیشن ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۵ء میں حسن پریس مئو سے چھپا تھا، اس اڈیشن میں یہ ترتیب تو ملحوظ تھی لیکن کچھ ایسے تذکرے بھی تھے جن کا ذکر اپنے مقام پر نہیں ہو سکا، ان کو آخر میں تتمہ کی شکل میں شامل کیا گیا تھا، مثلاً حضرت جنید بغدادیؒ کا تذکرہ حرف "ج" کے تحت نہیں ہو سکا تھا، وہ بعد میں تتمہ کی شکل میں تھا، اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ بھی آخر میں بطور تتمہ کے تھا، صحابہ کرام میں حضرت عمروؓ بن عاص اور حضرت زبیرؓ بن عوام وغیرہما کا تذکرہ بھی آخر میں مذکور تھا۔ اسی طرح ایک صحابیہ قتیلہ بنت قیس تھیں، ان کا ذکر بھی کتاب کے آخر میں تھا۔ اور وہاں حضرت محدث کبیرؒ نے تحریر فرمایا تھا کہ ان کا ذکر صحابہ کے ذیل میں ہونا چاہئے تھا مگر بھول سے وہاں ان کا ذکر نہیں ہو سکا۔

اس اڈیشن میں ترتیب جدید کی کوشش کی گئی ہے۔ اور قارئین کی سہولت کے لئے کوشش کی گئی ہے کہ اس قسم کے تمام تذکروں کو اسی الف بائی ترتیب سے مرتب کر دیا جائے۔

حضرت محدث کبیرؒ کی یہ تصنیف مقبول خاص وعام ہوئی ہے، چنانچہ اس کا پہلا اڈیشن کئی سال ہوئے ختم ہو چکا تھا، اس اثنا میں اس کی طلب برابر بڑھتی رہی، چونکہ بہت سے قارئین عربی وفارسی زبان سے آشنا نہیں ہوتے، اور اس کتاب میں عربی وفارسی کی عبارتیں جا بجا بکھری ہوئی ہیں، بہت سی عبارتوں کا ترجمہ تو خود حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے بھی کیا ہے۔ لیکن بیشتر عبارتیں ایسی ہیں جن کا ترجمہ نہیں ہے۔ پہلا اڈیشن پڑھنے کے بعد بہت سے قارئین کرام کا تقاضا تھا کہ ان عبارتوں کا اگر اردو ترجمہ ہو جاتا تو اچھا تھا۔ موجودہ اڈیشن میں ترجمہ کی بھی حتی المقدور کوشش کی گئی ہے۔ یہ ترجمے حاشیے میں دیے گئے ہیں اور ان پر ہلالین ( ) کے درمیان (مسعود) لکھ دیا گیا ہے، تاکہ حضرت مصنف علیہ الرحمہ کے حواشی اور بعد کے ترجمے کے درمیان امتیاز ہو سکے۔

موجودہ اڈیشن میں ایک نہایت بیش قیمت چیز اس کا ضمیمہ (دنیا میں پارچہ بافی کے مرکز)

ہے۔ یہ حضرت محدث کبیرؒ کا ایک مستقل رسالہ ہے، یہ اگرچہ چند صفحات پر مشتمل ایک چھوٹا سا رسالہ ہے لیکن نہایت معلومات افزا پر مغز اور اپنے موضوع پر منفرد ہے۔ مضمون اور مواد کے لحاظ سے اس کتاب کے ساتھ اس رسالہ کی خاص مناسبت تھی، لہذا یہ مناسب سمجھا گیا کہ اس کو بھی بطور ضمیمہ شامل اشاعت کر دیا جائے۔

آخر میں دوسرے ایڈیشن کی اشاعت میں جو غیر معمولی تاخیر ہوئی ہے اس کے لئے ہم قارئین سے معذرت خواہ ہیں، اور ان سے ہماری یہ درخواست ہے کہ دعا فرمائیں کہ اللہ جل شانہٗ ادارہ کی ان کوششوں کو قبول فرمائے، اور حضرت مصنف علیہ الرحمہ کے دیگر علمی کارناموں کو قابلِ اشاعت بنانے اور منظرِ عام پر لانے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین۔

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ الطیبین الطاہرین

شریعتِ اسلامیہ میں ہاتھ سے کام کرنے اور دستکاری کو ذریعۂ معاش بنانے کی بڑی فضیلت اور تاکید وارد ہوئی ہے، جیسا کہ ذیل کی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔

(۱) افضل الکسب بیع مبرور وکسب الرجل بیدہٖ (مسند احمد وطبرانی عن ابی بردہ بن نیار)	(۱) سب سے افضل کمائی بیع مبرور (وہ تجارت جو شریعت کے احکام وآداب کے مطابق ہو) اور انسان کی اپنے ہاتھ کی کمائی ہے۔
(۲) اطیب الکسب عمل الرجل بیدہٖ وکل بیع مبرور (مسند احمد ومستدرک وغیرہ عن رافع بن خدیج)	(۲) سب سے پاکیزہ کمائی اپنے ہاتھ کا کام اور بیع مبرور ہے (مسند احمد ومستدرک وغیرہ)
(۳) ازکی الاعمال کسب المرء بیدہٖ۔ (شعب الایمان بیہقی عن علی)	(۳) سب کاموں میں ستھرا کام آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا ہے۔ (شعب الایمان بیہقی)
(۴) ماکسب الرجل کسباً اطیب من عمل یدہٖ (ابن ماجہ عن المقدام ومسند احمد بمعناہ)	(۴) اپنے ہاتھ کی کمائی سے پاکیزہ تر کوئی کمائی نہیں ہے (ابن ماجہ ومسند احمد)
(۵) من امسیٰ کالاً من عمل یدیہ امسیٰ مغفوراً لہ (طبرانی فی الاوسط عن ابن عباس)	(۵) جو ہاتھ سے کام کرنے میں تھک جائے اس کی مغفرت ہو گئی (طبرانی نے اوسط میں ابن عباس سے)
(۶) ان داؤد علیہ السلام کان لا یاکل الا من عمل یدہٖ (صحیح بخاری عن ابی ہریرۃ)	(۶) حضرت داؤد علیہ السلام صرف اپنے ہاتھ سے کام کرکے کھاتے تھے۔ (صحیح بخاری)

مگر آج مسلمانوں نے اسلام کی دوسری بہت سی تعلیمات کے ساتھ اس تعلیم کو بھی بھلا دیا ہے۔

عہدوں کے حصول اور ملازمتوں کو سرمایہ عزت وافتخار اور ہاتھ سے کام کرنے کو معیوب اور پست کام سمجھنے لگے ہیں، اس کا ایک طرف یہ نتیجہ آنکھوں کے سامنے ہے کہ بیشمار اشخاص بے روزگاری کی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ دوسری طرف یہ دیکھا جا رہا ہے کہ جو لوگ دینی یا دنیاوی تعلیم سے بہرور ہیں یا ان کے پاس پیسے ہیں وہ دست کاروں کو ذلت وحقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

حالانکہ یہ بات تعلیمات اسلام کے سراسر منافی ہے اور مسلمانوں میں اس قسم کے تصورات امتداد زمانہ کے بعد صرف غیر قوموں کے اختلاط سے پیدا ہوئے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی جائز پیشہ نہ معیوب ہے نہ اس کو اختیار کرنیوالا ذلت وحقارت کا مستحق، اور اسلام کی تاریخ شاہد ہے کہ اکابر اسلام نے کبھی کسی پیشہ کو حقیر نہیں سمجھا ہے، بلکہ ان اکابر میں ایک بڑی تعداد ان حضرات کی ہے جنھوں نے کسی پیشہ کو اپنایا اور اس کو ذریعہ معاش بنایا ہے اور دستکار ومحترف ہونے کے باوجود وہ اسلامی تاریخ کے ہیرو، دین کے امام، اور علم وعرفان کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔

انھیں باتوں کے پیش نظر برسوں سے یہ خیال ہو رہا تھا کہ محترف اعیان واکابر اسلام کا ایک جامع تذکرہ قلمبند کیا جائے، جس میں ایک ایک پیشہ کو لے کر اس کے اختیار کرنے والے نامور حضرات کا حال لکھا جائے، چنانچہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی اس وقت آپ کے سامنے ہے جس میں بنائی کا کام کرنے والے حضرات کا ذکر ہے، اس کام کے کرنیوالے کچھ حضرات کا ذکر تاریخ المنوال وابلہ میں ہے مگر وہ ضمنی تذکرہ بہت تشنہ ہے اس تذکرہ میں ان حضرات کے علاوہ دوسرے کثیر التعداد حضرات کا ذکر آپ کو ملے گا۔ اور جن حضرات کا ذکر منوال میں ہے ان کے باب میں بھی مزید معلومات حاصل ہونگی۔ اس کے باوجود بہت سے حضرات کا تذکرہ ابھی ہم نے نہیں کیا ہے مگر امید ہے کہ انشاء اللہ دوسرے اڈیشن میں ان حضرات کو بھی لے لیا جائے گا۔ واللہ الموفق

فائدہ:۔ یہاں یہ بتادینا ضروری ہے کہ بنائی کا کام کرنے والے کو عربی میں صرف نساج، یا حائک ہی نہیں کہتے بلکہ اس کو دوسرے کئی لفظوں سے بھی یاد کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک عنوان قزاز ہے۔ الطالع السعید میں ایک قزاز کی ہجو کے عنوان سے چند شعر منقول ہیں ان اشعار کو پڑھئے تو ان میں صاف صاف بنائی کا کام کرنے والے کی ہجو نظر آئے گی، اس سے معلوم ہوا کہ بننے والے کو قزاز بھی کہتے تھے، لیکن چونکہ قز ریشم اور ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں اس لئے قزاز کا اطلاق ریشمی کپڑے بننے والے ہی پر ہو سکتا ہے اسی لئے حافظ منذری نے شیخ صالح بن قاسم کو نساج لکھنے کے بعد قزاز بھی لکھا ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ وہ ریشمی کپڑے بنتے تھے، دیکھئے

تکملہ ص۱۵۹) بغداد میں ایک محلہ کا نام دارالقطن تھا جہاں سوتی کپڑوں کے کارخانے تھے اور ایک دوسرا محلہ دارالقز تھا، جہاں ریشمی کپڑے تیار ہوتے تھے، امام دارقطنی پہلے محلہ کی طرف منسوب ہیں۔

جن ممتاز شخصیتوں کو قزاز کے وصف کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے ان کو ہم نے بالاستیعاب ذکر نہیں کیا ہے۔ دوسرے اڈیشن میں محنت کرکے ان کو بالاستیعاب ذکر کرنا چاہئے۔

بعض بزرگوں کے ناموں کے ساتھ نساج کی جگہ پر خامی کا لفظ استعمال ہوتا ہے، مثلاً شیخ میمون خامی شیخ عبداللہ خامی اور شیخ عبدالرحمٰن خامی۔ ملاحظہ ہو سخاوی کی تحفۃ الاحباب ص۲۴۲ و ص۲۲۸ و ص۲۲۵ میمون خامی کے ذکر میں علامہ سخاوی لکھتے ہیں کان ینسج الخام بیدا کا منجد وغیرہ میں ہے کہ خام کپڑے کی ایک قسم ہے۔

خامی کے علاوہ بعض حضرات کا حرّار کے لفظ سے تعارف کرایا گیا ہے، جیسے شیخ ابوالعباس حرار وغیرہ۔ حافظ سخاوی شیخ ابوالعباس کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کان ینسج الحریر السقلاطونی نسبتی بالحرّار ص۲۸۰) اسی طرح بہت سے حضرات کے ناموں کے ساتھ حریری لکھا کرتے تھے۔ آگے حوالہ کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ ریشمی کپڑے تیار کرنے والے کو حریری کہتے تھے۔

نبیاء علیہم السلام

(۱) **حضرت آدم علیہ السلام** ابوالبشر کے بابت اس کام کی نسبت بہت مشہور ہے اور فردوس دیلمی میں ایک حدیث بھی ہے[ع۱] اول من حاک آدم ۱۲ اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے۔ وکان اول کسوتھما من شعر الضان جزاہ وغزلاہ فنسج لہ آدم جبۃ ولحواء درعا وخمارا (ص۸۴) آدم و حواء کا پہلا لباس بھیڑ کے بالوں کا تھا، دونوں نے بال کاٹے اور اس کو کاتا پھر آدم نے اپنے لئے ایک جبہ کا اور حواء کے لئے ایک درع اور ایک خمار کا کپڑا بنا۔

اور کامل ابن الاثیر ص۲۳ میں ہے کہ حواء نے کاتا اور آدمؑ نے کپڑا بنا۔

(۲) **حضرت ادریس علیہ السلام** بننے کی نسبت آپ کی طرف علامہ ابن خلدون نے دو مقاموں میں کی ہے اس کے علاوہ اور تمام صناعتوں کی نسبت بھی آپ کی طرف کی ہے۔

(۳) **حضرت شیث علیہ السلام** ضوء البدائع میں ہے کان[ع۲] شیث حائکا واسمٰعیل صیادا —

(۴) **حضرت صالح علیہ السلام** آپ کمبل بنتے تھے (شرح شرعۃ الاسلام)

(۵) **حضرت حواء ام الناس علیہا السلام** کانت حواء فیما ذکر قد غزلت ونسجت وعجنت وخبزت وعملت اعمال النساء کلہا (ابن جریر ابن اثیر ص ۲۱/۱) حواء نے جیسا کہ کہا جاتا ہے سوت کاتا، کپڑا بنا، آٹا گوندھا، روٹی پکائی اور عورتوں کے سارے کام کئے۔

ع۱ ۔ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کپڑا بنا۔ (مسعود)

ع۲ ۔ حضرت شیث علیہ السلام حائک اور حضرت اسماعیل علیہ السلام صیاد تھے۔ (مسعود)

صحابۂ کرام

(۶) **حضرت ابوایوبؓ انصاری:** آپ جلیل القدر صحابی تھے، معارج النبوۃ میں ہے کہ آپ بھی حیاکت کیا کرتے تھے چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ پہونچے ہیں تو صرف یہ خیال کرکے کہ میں غریب بننے والا ہوں اپنے یہاں آپ کو ٹھہرانے کی کیا خواہش کروں، آپ نے حضور سے اپنے یہاں نزول اجلال فرمانے کی درخواست نہ کی، مگر مشیت ایزدی یہی تھی کہ یہ دولت لازوال ابوایوبؓ ہی کے حصہ میں آئے .... ؎

آسماں[عل] بار امانت نتوانست کشید   قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

حضرت ابوایوبؓ کا مقولہ معارج النبوۃ میں یوں منقول ہے "من مرد ضعیف و فقیر بافندہ ام[عل۲] و رسول از من عار دارد و در خانۂ من نزول نفرماید" ؎

مبارک[عل۳] منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد   ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

(۷) ایک نامعلوم الاسم صحابی، جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا تھا کہ آقا جنت میں بھی اپنے کپڑے اپنے ہاتھوں سے ہی بنانے پڑیں گے؟ اس پر لوگ ہنس پڑے، آپ نے کہا ہنستے کیوں ہو؟ کیا اس بات پر کہ ایک جاہل ایک عالم سے مسئلہ پوچھتا ہے؟ ۔ پھر اُن سے کہا نہیں میاں جنت کے پھلوں سے پھٹ کر نکلیں گے۔

(۸) ایک صحابیہ جنھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھوں سے ایک چادر بنکر دی تھی قالت[عل۴] یارسول اللہ انی نسجت ھذہ بیدی (صحیح بخاری ص۲۲ کتاب الجنائز و ابن ماجہ)

عل ۔ آسمان امانت کے بوجھ کو برداشت نہ کر سکا ۔ تو لوگوں نے قرعہ میرے نام نکالا ۔ (مسعود)

عل۲ میں ایک کمزور اور غریب کپڑا بننے والا ہوں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے عار معلوم ہوگا اور میرے غریب خانہ پر قیام نہیں فرمائیں گے ۔ (مسعود)

عل۳ مبارک ہے وہ گھر جس میں ایسا چاند ہو، اور خوش نصیب ہے وہ ملک جس کا تخت نشیں ایسا بادشاہ ہو ۔ (مسعود)

عل۴ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس کو میں نے بدست خود بُنا ہے ۔ (مسعود)

(۹) ایک اور صحابی اور ان کی والدہ جنھوں نے ابوذر غفاریؓ کو جنگل میں اپنی ماں کے بنے ہوئے کپڑوں میں کفنایا تھا تاریخ المنوال، زاد المعاد، کنز العمال، منتخب کنز العمال میں یہ واقعہ مفصل مذکور ہے، ان صحابی کا قول ہے وثوبین فی عیبتی من غزل امی حاکتھمالی اور دو کپڑے میرے گٹھری میں ہیں جن کا سوت میری ماں نے کاتا ہے اور اسی نے ان کو بنا بھی ہے۔

(۱۰) اشعث بن قیس بن معدیکرب الکندی، آپکے والد قیس کو اس پیشہ سے شغف تھا، لسان العرب اور نہایہ میں ہے کہ انھوں نے حضرت علیؓ سے کہا ما احسبك عرفتنی یا امیر المؤمنین قال بلیٰ انی لاجد منك بنة الغزل ای ریح الغزل رماہ بالحیاکۃ قیل کان ابو الاشعث یولع بالنسلجۃ (میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے مجھکو پہچانا نہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں پہچانتا ہوں اور مجھکو تم سے سوت کی مہک آ رہی ہے حضرت علیؓ نے ان کی بافندگی پر تعریض کی، کہتے ہیں کہ اشعث کے باپ کو بافندگی سے شغف تھا، (لسان العرب ج ۱۷ ص ۱۹۶ و نہایہ ص ۱۱۵)

نیز حضرت علیؓ نے ایک بار اشعث بن قیس کے بارے میں فرمایا کہ ان اباھذا کان ینسج الشمال بالیمین (نہایۃ ابن الاثیر ص ۲۵۱) یعنی ان کے باپ اپنے ہاتھ سے لنگیاں یا چادریں بنتے تھے، یہ فقرہ حضرت علیؓ کی فصاحت و بلاغت کا آئینہ دار ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بہن ام فروہ اشعث کے نکاح میں تھیں، ان کی وفات ۴۰ھ کے ذرا بعد ہوئی۔ شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ص ۹۶ و ص ۹۹ میں ہے کہ ان کو حضرت علیؓ نے حائک بن حائک کہا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ

نہایت جلیل القدر صحابی اور صحابہؓ میں نہایت اچھے درجے کے ربانی عالم وفقیہ و امام، اور خوش آوازی سے قرآن پڑھنے میں یکتائے روزگار تھے۔ تستر اور دوسرے کئی شہر آپکے ہاتھ پر فتح ہوئے۔ ان کے فضائل و مناقب بیان کرنے کیلئے ایک دفتر چاہیے۔ حضرت علیؓ کو ایک دفعہ ان سے شکایت پیدا ہوگئی تو خط میں ان کو لکھا تھا یا ابن الحائک اے بافندہ کے بیٹے! (شرح نہج البلاغہ ج ۴ ص ۲۹۱) ایک اور موقع پر بھی حضرت علیؓ نے ان کو ابن الحائک کہکر مخاطب کیا ہے (تذکرہ خواص الامہ ص ۱۰۲) حضرت ابو موسیٰ کے سال وفات میں اختلاف ہے مورخین نے ۴۲ھ سے لیکر ۵۳ھ تک کئی قول لکھے ہیں۔

فائدہ

کندہ اور اشعر دو یمنی خاندان اور قبیلے ہیں، اور یمن میں عموماً بنائی کا کام ہوتا تھا، ان میں کثر قبائل کا یہی پیشہ تھا، اس کا سب سے بڑا ثبوت عربی لٹریچر ہے، ایک عربی شاعر کہتا ہے۔ ؎

اذا النفر السود الیمانون حاولوا ۔۔ له انہج برد یه ارقوا وا وسعوا (البیان والتبیین ص ۱۴۹)

جب یمن کے سیاہ فام لوگ ممدوح کے لیے جوڑہ بننے کا ارادہ کرتے ہیں تو باریک اور کشادہ بنتے ہیں۔

ابو تمام کہتا ہے ؎

کشقیقة البرد المسهم وشیها ۔۔ فی ارض مهرة او بلاد تزید (ثمار القلوب ص ۵۳۳)

وہ اپنے قصیدہ کو اس چادر سے تشبیہ دیتا ہے جو سرزمین مہرہ یا بلاد تزید (یمن یا جزیرہ) میں تیار ہوتی تھی اور اس میں پھول بوٹے ہوتے تھے۔ بحتری کہتا ہے ؎

حبائك تحمل الفاظا مدبجة ۔۔ کانما وشیها من یمنة الیمن (ثمار ص ۵۳۳)

اس نے اپنے قصیدہ کو یمن کی یمنہ چادر سے تشبیہ دی ہے — طرفہ کہتا ہے ؎

وبالسفح آیات کأن رسومها ۔۔ یمان وشته ریدة وسحول (معجم البلدان ص ۳۴۸)

(دامن کوہ میں منازل کے کچھ نشان ہیں گویا وہ یمنی چادریں ہیں اور ان کو اہل ریدہ و سحول نے پھول بوٹوں کے ساتھ بنا ہے) ریدہ یمن کا ایک شہر اور سحول یمن کا ایک قصبہ ہے۔

ابو طالب کہتے ہیں ؎ فیصبح آل الله بیضا کانما ۔۔ کستهم حبورا ریدة ومعافر (معجم ص ۳۴۸)

پس اللہ کے لوگ ایسے اُجلے ہو جائیں گے گویا ان کو ریدہ اور معافر کے لوگوں نے حبرہ پہنا دیا ہے) معافر ایک یمنی قبیلہ ہے، اور ان کے مساکن کو بھی معافر کہتے ہیں۔

ان اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ بافندگی یمن کا مشہور پیشہ تھا اور آل تزید، اہل ریدہ، اہل سحول اور معافری لوگ سب بافندہ تھے۔

اس کے علاوہ احادیث، اشعار عرب اور تاریخ میں بہت سے کپڑوں کے نام آتے ہیں مثلاً حبرہ، سحولیۃ، معافریہ، قدمیہ، سدبریہ، سعیدی، تزیدی، حلہ نجرانیہ، عصب یمنۃ، حلہ افواف، یہ سب یمن کے علاقہ میں بنتے تھے، الحیوان وفضائل تجارت اور لغت کے لئے قاموس، نہایہ، اور معجم البلدان

وغیرہ کا مطالعہ کیجئے۔

مہدی خلیفہ عباسی کے سامنے ایک یمنی نے اپنے مفاخر بیان کئے تو خالد بن صفوان نے اس کے جواب میں یمنیوں پہ بافندگی کا آوازہ کسا، اور کہا ماثیھم الاحائک برد (عقد فرید، شرح نہج البلاغہ ص۹۹ و ثمار القلوب ص۲۲۵)

ابن ابی الحدید نے جہاں یہ نقل کیا ہے کہ حضرت علی نے اشعث بن قیس کو حائک بن حائک کہا وہاں لکھا ہے قال اھل الیمن یعیرون بالحیاکۃ ولیس ھذا مما یخص الاشعث (ص۹۹) یعنی اہل یمن کو عموماً بافندگی کا طعنہ دیا جاتا ہے یہ بات کچھ اشعث کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

یمن کے قبائل میں قُدَم، معافر (جو ہمدان یا حمیر کی شاخ ہے) حمیر اور ہمدان وغیرہ کپڑے بنتے تھے (دیکھو معجم البلدان ج۷ ص۲۵ لفظ قدم اور معجم البلدان ص۲۴۲ لفظ رئام (جو قبیلہ حمیر کی بستی تھی) اور معجم البلدان ص۳۴۹ لفظ ریدہ (جہاں ہمدانی آباد تھے) اور صفۃ جزیرۃ العرب ص۹۹)

لہذا ان قبائل کی طرف جتنے لوگ منسوب ہیں وہ سب بافندوں کی اولاد ہیں، یہ بھی ملحوظ رہے کہ حمیر و ہمدان اور معافر کی بہت سی شاخیں ہیں اور ان تمام شاخوں کی طرف جو قابل ذکر لوگ منسوب ہیں ان کا شمار ناممکن ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بتا دینا بھی مناسب ہوگا کہ مدینہ منورہ کے انصار بھی یمنی الاصل ہیں، ان کے اجداد یمن سے مدینہ آکر آباد ہوئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انصاریوں کے متعدد گھرانوں میں بنائی کا کام ہوتا تھا، جیسا کہ متعدد احادیث سے ثابت ہوتا ہے، اور ان میں سے بعض حدیثیں آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔

قتیلہ بنت قیس

یہ باعزت خاتون اشعث بن قیس کندی صحابی کی بہن تھیں، ان کا ذکر بھی صحابۂ کرام کے ذیل میں ہونا چاہئے تھا مگر بھول سے وہاں ان کا ذکر نہیں ہو سکا،

ھ۱ ان کے اندر صرف چادر بننے والے ہیں۔ (مسعود)

پہلے بتایا جاچکا ہے کہ اشعث کے والد قیس کپڑا بننے میں بڑے ماہر اور اس سے آنکو بڑی دلچسپی تھی، اس کی شہادت حضرت علیؓ نے دی ہے، وہ اشعث کو حائک بن حائک کہا کرتے تھے، قتیلہ انھیں قیس کی بیٹی اور اشعث کی بہن تھیں، اللہ نے اس کپڑا بننے والے کو وہ عزت بخشی جس سے بڑی کوئی عزت نہیں ہوسکتی، یہ کپڑا بننے والا اس بات پر جتنا فخر کرے کم ہے کہ سرداردوجہاں اشرف انبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی لڑکی قتیلہ کو قبول فرمالیا تھا، قتیلہ یمن میں تھیں اور ان کے بھائی اشعث نے ولی بنکر ان کا نکاح آنحضرتؐ سے مدینہ میں کردیا تھا، یہ نکاح سنہ ہجری کے آخر میں ہوا تھا، قتیلہ یمن سے ابھی رخصت ہوکر نہیں آئی تھیں کہ نصف صفر سالہ میں آنحضرت کی بیماری شروع ہوئی اور ابن عبدالبر کے بیان کے مطابق ۲ ربیع الاول سالہ کو آپ کی وفات سے دنیا میں اندھیرا چھاگیا۔

دوسرا بیان یہ ہے کہ وفات سے دو ماہ پیشتر نکاح ہوا اور تیسرا بیان ہے کہ آپ کی آخری بیماری ہی میں نکاح ہوا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں وصیت کی تھی کہ ان کو اختیار ہے کہ دوسری ازواج مطہرات کی طرح ان پر بھی قانونِ حجاب نافذ اور حجاب قائم ہو، اس صورت میں میرے بعد کسی سے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ طلاق قبول کرلیں اور جس سے چاہیں نکاح کرلیں۔ انھوں نے دوسری صورت اختیار کی اور آنحضرتؐ کے بعد انھوں نے حضرت عکرمہ (صحابی) سے نکاح کرلیا۔

بنکر گھرانے میں سب سے اعلیٰ واشرف نبی کا یہ رشتہ اس دستکاروں کیلئے سب سے بڑا مایۂ افتخار ہے۔ اور یہی اس بات کی نہایت مستحکم دلیل ہے کہ بُننے والے کی بیٹی ایک عربی بلکہ قریشی وہاشمی بلکہ سب سے اشرف واکرم ہاشمی کی کفو ہوسکتی ہے، اسی طرح وہ اس کی بھی کفو ہوسکتی ہے جو یہ پیشہ نہیں کرتا، اس بحث میں فقہی کتابوں سے جو نقل کیا جاتا ہے وہ سب غلط فہمی پر مبنی ہے۔

اس مسئلہ کیلئے اس دلیل کے بعد کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں ہے، پھر بھی مزید استحکام وتائید اور ایضاح کیلئے ہم اسوۂ نبوی کے ساتھ خلفائے راشدین کی سنت واسوہ

بھی پیش کرتے ہیں، اس سے مسئلہ کا دوسرا پہلو بھی سامنے آجائے گا وہ یہ کہ کپڑا بننے والے کا لڑکا ایک قریشی عورت کا کفو ہوسکتا ہے۔

معجم کبیر طبرانی میں روایت ہے کہ اشعث بن قیس وفاتِ نبوی کے بعد دین سے منحرف ہوگئے تھے) حضرت ابوبکر کے دورِ خلافت میں جب وہ گرفتار کرکے لائے گئے (اور تائب ہوکر دین کی طرف انھوں نے دوبارہ رجوع کیا) تو حضرت ابوبکر نے ان کے ہاتھ پیر کھلوائے پھر اپنی ہمشیرہ ام فروہ سے ان کا نکاح کردیا، دیکھئے یہ وہی اشعث ہیں جن کو حضرت علی حائک بن حائک کہا کرتے تھے، کپڑا بننے والے کا وہی لڑکا کسی معمولی عربی عورت کا نہیں بلکہ صدیق اکبر کی ہمشیرہ کا کفو قرار دیا جاتا ہے۔

اس واقعہ کیلئے معجم کبیر طبرانی جلد اول ص ۲۰۵ بسند صحیح اور مجمع الزوائد ص ۲۱۵ ج ۹ اور اصابہ ص ۵۱ ج ۱ دیکھئے، اس نکاح کا ذکر دارقطنی اور ابن السکن نے بھی کیا ہے، آخر الذکر نے یہ لکھا ہے کہ اشعث کے دو لڑکے محمد اور اسحٰق ام فروہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔
اصابہ ص ۲۸۳ ج ۴ اور استیعاب ص ۴۸۴ ج ۴ میں ہے کہ دو لڑکیاں بھی پیدا ہوئی تھیں ان میں سے ایک کا نام حُبابہ دوسری کا قریبہ تھا۔

حضرت ام فروہ کا یہی شرف کیا کم ہے کہ وہ صدیق اکبر کی بہن اور قریشیہ تھیں مگر وہ اس سے بھی کہیں زیادہ شرف اور برتری کی مالک تھیں، ان کا سب سے بڑا شرف یہ تھا کہ انھوں نے آنحضرت ﷺ سے بیعت کی تھی، اس کے باوجود ایک بننے والے کے لڑکے کو ان کا کفو قرار دیا گیا، اور قرار دینے والا وہ ہے جو اسلام میں آنحضرت کے بعد سب سے اونچا مقام رکھتا ہے اور جس کی نسبت آپ نے سارے مسلمانوں کو حکم دیا ہے "اِقْتَدُوا بِالَّذِینَ بَعْدِی اَبِی بَکرٍ وَعُمَرَ (وہ دونوں جو میرے بعد ہیں یعنی ابوبکر و عمر ان کے قدم بقدم چلو)

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی

حضرت زبیر بن العوام اور فاتح مصر

حضرت عمرو بن عاص

اور امیر بصرہ کے والد ماجد حضرت عامر بن کریز

ان سب حضرات کی نسبت ابن الجوزی نے تلبیس ابلیس میں اور علامۂ مغرب شیخ عبدالحی کتانی نے التراتیب الاداریہ میں لکھا ہے" کان الزبیر بن العوام وعمرو بن العاص وعامر بن کریز خزازین ای یعملون الخزوھی نساجة من صوف وابریسم" (تراتیب ثانی صـ٦ـ) یعنی یہ تینوں حضرات خزاز (بافندۂ خز) تھے) خز اون اور ریشم سے بنا ہوا ایک کپڑا ہوتا ہے۔

حضرت زبیر اور حضرت عمرو کے باب میں تو کچھ بتانے کی حاجت نہیں کہ زبیر عشرۂ مبشرہ میں تھے اور حضرت عمرو فاتح مصر اور وہاں کے گورنر، اور عہد نبوی میں ایک موقع پر اس اسلامی لشکر کے سپہ سالار تھے، جس میں حضرت ابوبکر و عمر بھی شامل تھے، ہاں عامر کی نسبت کم لوگوں کو واقفیت ہوگی، وہ امیر بصرہ عبداللہ بن عامر کے والد بہت عالی نسب قریشی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے، جس طرح کہ حضرت زبیر پھوپھی زاد بھائی تھے انکی ماں کا نام بیضاء اور حضرت زبیر کی ماں کا نام صفیہ تھا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نانہال میں بُنائی کا کام ہوتا تھا

انصارِ مدینہ کا بہترین گھرانہ پارچہ باف تھا

تاریخ وسیر پر جن حضرات کی نظر ہے ان کو اچھی طرح معلوم ہے کہ آنحضرت کے جدامجد عبدالمطلب کی نانہال مدینہ منورہ کے قبیلہ بنی نجار میں تھی، ان کی ولادت وہیں ہوئی، اور وہیں ان کی پرورش ہوئی، پھر جب آنحضرت کے والدماجد شام کے سفر سے واپسی میں بیمار ہوئے اور مکہ آنا دشوار ہوگیا تو اپنے والد کی نانہال ہی میں رک گئے، وہاں ان کے رشتہ داروں نے دل وجان سے تیمارداری کی مگر وقت پورا ہو چکا تھا، جاں بر نہ ہو سکے وہیں ان کی وفات ہوئی، اور بنوالنجار ہی نے ان کی تجہیز وتکفین کی۔

عبدالمطلب کی نانہال، بالواسطہ آنحضرت کی بھی نانہال ہے، اس کا احساس بنی نجار اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دونوں کو تھا۔

ایک بار آنحضرت بنی نجار کے محلے سے گذر رہے تھے تو سنا کچھ کمسن بچیاں دف بجا رہی ہیں اور یہ شعر پڑھ رہی ہیں ؎

نحن جوار من بنی النجار　　　یاحبذا محمد من جار

آنحضرت نے سن کر فرمایا۔ اللّٰھم بارك فیھن (مجمع الزوائد ص۴۲ ج۱۰) اے اللہ تو ان میں برکت دے۔ میں سمجھتا ہوں یہ بچیاں اسی احساس کے ماتحت فخریہ طور پر یہ شعر پڑھ رہی تھیں۔ اور شاید اسی خصوصی تعلق کی بنا پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی پوشاک (اپنے استعمال کے کپڑے) بنی نجار ہی کے یہاں بنواتے تھے۔ اور جلد تیار کرنے کا تقاضا کرنے کے لئے خود جایا کرتے تھے۔

حافظ ابوالشیخ اصبہانی (المتوفیٰ ۳۶۹ھ) نے اپنی کتاب اخلاق النبی میں سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے۔

کان لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو کپڑے
ثوبان ینسجان فی بنی النجار وکان	بنی نجار کے یہاں بنے جارہے تھے۔ اور
یختلف الیھما، یقول: عجلوبھما	آپ بار بار ان کپڑوں کو دیکھنے جاتے تھے

علینا تجمل بھما فی الناس (ص۱۲۲) فرماتے ہیں کہ جو عادی تیار کر کے دراکو پہن کر اچھی ہیئت میں لوگوں سے ملنا ہے۔

اس حدیث کو حافظ ابوالشیخ کے واسطے سے حافظ ابوسعد سمعانی (المتوفی ۵۶۲ھ) نے ادب الاملاء والاستملاء ص۲۰ میں بھی ذکر کیا ہے۔

حافظ ابوالشیخ نے حضرت سہل بن سعد کی روایت سے یہ حدیث بھی بیان کی ہے کہ ایک بار آنحضرتؐ کے لیے بھیڑ کی اون کا ایک جبہ سی کر تیار کیا گیا، آپ نے اس کو پہنا تو ایسا پسند کیا کہ دوسرا کپڑا اتنا پسند نہیں کیا اس کو ہاتھ سے چھوتے تھے اور فرماتے دیکھو کتنا اچھا ہے۔ اتنے میں ایک اعرابی (بدو) آیا اس نے کہا حضرت! یہ جبہ مجھے عنایت فرما دیجئے۔ حضرت نے دیدیا اور ویسا ہی دوسرا کپڑا بننے کا حکم دیا۔ مگر اس کو زیب تن کرنے کی نوبت نہیں آئی اسلئے کہ وہ ابھی کارخانہ میں تیار ہی ہو رہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ (اخلاق النبی ص۱۲۱)

یہ کارخانہ حاکہ بھی غالباً بنی نجار کا تھا، ورنہ بنو ساعدہ کا رہا ہوگا جو بنی نجار ہی کی طرح خزرج کی ایک شاخ ہے، اس لئے کہ اس کے راوی سہل بن سعد ساعدی ہیں اور وہ اس کو جس واقفیت اور دقت کے ساتھ بیان کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ان کا قریب کا تعلق ہے اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ صحیح بخاری میں جو یہ حدیث مذکور ہے کہ ایک انصاری خاتون ایک کپڑا لائیں اور عرض کیا کہ حضرت! میں نے اس کو اپنے ہاتھ سے اس لئے بنا ہے کہ آپ کو پہناؤں۔ تو اس کے راوی بھی حضرت سہل بن سعد ہی ہیں۔ بہرحال یہ تحقیق طلب ہے کہ جس (حاکہ) کا یہاں ذکر ہے وہ کس قبیلہ میں تھا، یہ تو یقینی ہے کہ وہ کارخانہ انصار ہی کا تھا۔

بنوالنجار کے اعلیٰ درجہ کی شرافت کا اس سے بہتر معیار اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اشرف قریش عبدالمطلب کے کفو، اور رشتہ ازدواج کے لئے قریش کے ہمسر تھے۔

اور اس سے بھی بڑا شرف و فضل ان کو یہ حاصل تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں بروایت انس رضی اللہ عنہ فرمایا۔ الا اخبرکم بخیر دور الانصار قالوا بلی یارسول اللہ، قال بنو النجار۔ (ترمذی ص۲۳۴)

اور بروایت ابی اسید ساعدی یہ الفاظ فرمائے ۔ خیر دور الانصار، دور بنی النجار (حوالہ سابق) اور حضرت جابر کی روایت میں یہ فرمایا ، خیر دیار الانصار دور بنی النجار (ترمذی ص۲۲۸ ج۲) تینوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ انصار کے قبیلوں اور گھرانوں میں سب سے بہتر گھرانہ بنو نجار کا ہے ۔

کپڑا بننے والی ایک اور صحابیہ

قبیلہ طفادہ کے ایک صحابی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گھر کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اس گھر میں ایک عورت تھی ایک دفعہ مسلمان لڑائی میں جانے لگے تو وہ بھی ساتھ چلی گئی وہ گھر پر بارہ بکریاں اور ایک اوزار جس سے وہ کپڑا بنتی تھی چھوڑ کر گئی تھی جب واپس آئی تو ایک بکری اور وہ اوزار غائب تھا ۔ اس نے کہا کہ اے پروردگار تو نے تو ذمہ داری لی ہے کہ جو تیری راہ میں نکلے گا تو اس کی چیزوں کی حفاظت کرے گا ۔ اور یہاں میری بکری اور میرا اوزار گم ہو گیا لہٰذا میں تجھ سے اپنی گمشدہ چیزیں مانگتی ہوں ، اس نے جس شدت اور الحاح سے مانگا تھا اس کی کیفیت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کی ، پھر فرمایا کہ جب صبح ہوئی تو ایک کے بجائے ویسی ہی دو بکریاں اور دو اوزار موجود تھے ، یہ کہہ کر حضرت نے فرمایا کہ وہ سامنے گھر موجود ہے تم خود اس عورت سے جا کر پوچھ لو ، ان صحابی نے عرض کیا کہ حضرت اس کی ضرورت نہیں میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں ۔

(مسند احمد و مجمع الزوائد ص۲۶۶ ج۵)

معافری حضرات

صحابہ و تابعین و تبع تابعین میں اور ان کے بعد بکثرت حضرات قبیلۂ معافر سے تعلق رکھتے ہیں، ان سب حضرات کو فرداً فرداً ذکر کیا جائے تو بہت زیادہ طوالت ہوگی، اس لئے تفصیل میں جانیکے بجائے ہم اس اجمالی بیان پر اکتفا کرتے ہیں کہ معافر قبیلۂ ہمدان کی ایک شاخ ہے، اور یہ لوگ یمن میں جہاں سکونت پذیر تھے اس کو بھی معافر کہتے تھے، اور جو کپڑے تیار کرتے تھے ان کو بھی معافر اور معافری کہتے تھے (معجم البلدان صفحہ ۲۵۹)

پھر معافر کی بھی بہت سی شاخیں ہیں از انجملہ بنو قرافہ ہیں جو مصر کے دو محلوں قرافہ کبریٰ و قرافہ صغریٰ ہیں اور اسکندریہ کے محلہ قرافہ میں آباد تھے، یہ سب بافندوں کی اولاد تھے، خلاصۃ الاثر میں ہے کہ بنو قرافہ معافر بن یعفر کی ایک شاخ ہیں (ص ۱/۳) اور بنو ناشر بھی معافری ہیں تبصیر المنتبہ میں ہے ناشر حی من المعافر.

معافر کا تمغائے شرافت

اور

ان کی بافندگی کا ثبوت حدیث سے

مسند احمد ص ۴/۳۰ اور الاسماء والکنیٰ للدولابی ص ۲۱ اور مجمع الزوائد ص ۱۰/۵۰ میں حضرت ابو ثور فہمی سے روایت ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی معافری کپڑا لایا گیا تو حضرت ابو سفیان نے کہا لعن اللہ ھذا الثوب ولعن من یعملہ خدا اس کپڑے کو اور جو اس کو بناتا ہے اسکو لعنت کرے، یہ سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تلعنھم فانھم منی وانا منھم ان پر لعنت نہ کرو اس لئے کہ وہ مجھ سے ہیں اور میں اُن سے ہوں۔ اس حدیث کو ہیثمی نے نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کو طبرانی نے بھی روایت کیا ہے اور احمد و طبرانی دونوں کی سندیں حسن ہیں، معافری حضرات کے لئے یہ سب سے بڑا سرمایۂ عزت و افتخار ہے۔

کتب رجال و تذکرہ میں بکثرت معافری حضرات کا ذکر پایا جاتا ہے اگر ان سب کو یکجا کر دیا جائے تو ایک مستقل

کتاب تیار ہو سکتی ہے، مثلاً علیؒ بن محمد ابوامیہ معافری صحابی جو فتح مصر میں شریک تھے اور سب سے پہلے انھیں نے مصر میں قرآن کی تعلیم دی، واہبؒ بن عبداللہ معافری، عبدالرحمٰن بن شریح معافری، ولیدؒ بن مغیرہ معافری، قرۃؒ بن عبدالرحمٰن معافری، ان کے دادا حیویلؒ معافری، عامرؒ بن یحییٰ معافری، بکرؒ بن عمرو معافری، بحیرؒ بن ذاخر معافری، محمد بن صالح قحطانی معافری وغیرہ، جن کے حالات تاریخ بخاری، اصابہ، تہذیب، اور لباب وغیرہ میں مذکور ہیں اور متاخرین میں قاضی ابوبکرؒ بن العربی شارح ترمذی، وابن ہشامؒ مصنف سیرۃ مشہورہ، ابوعمرؒ طلمنکی مالکی، علامۃ المغرب ابوالحسن علی بن محمد معافری، طاہرؒ بن مفوز معافری حافظ حدیث اور ان کے بھتیجے محمد بن حیدرہ حافظ حدیث۔

شیخ ابوبکر بن عبداللہ طوسی نساج (رضی اللہ عنہ)

آپ ولی کامل اور بڑے پایہ کے عارف باللہ تھے، آپ کو شیخ ابوالقاسم گورگانی سے شرف بیعت اور ابوبکر دینوری سے فیض صحبت حاصل تھا، آپ نے ابتدائے کار میں سخت سخت مجاہدے کئے مگر شاہد جمال یار نصیب نہ ہوا تو بارگاہ احدیت میں نالش کی غیب سے آواز آئی "نساج بادرد طلب قناعت کن ترا بایافت چہ کار"

آپ کے چند اقوال تبرکاً نقل کئے جاتے ہیں:۔

(۱) آپ سے پوچھا گیا کہ محبوب کا دیدار کیسے کیا جا سکتا ہے تو فرمایا "بدیدہ صدق در آئینہ طلب"[۱] (۲) فرماتے ہیں "تصور آب تشنگی۔ تسکین ندہد و فکرت آتش گرمی نبخشد و دعویٰ طلب بمطلوب نرساند[۲] (۳) تا ہستی موہوم سوختہ نشود دیدۂ دل بسوزن غیرت از غیر او دوختہ نشود خلوت خانہ جان بشمع تجلیات جاناں افروختہ نگردد زیرا کہ تخم در زمین کاشتہ نکارند ونقش بر کاغذ نگاشتہ ننگارند"[۳] (۴) آپ نے بارگاہ احدیت میں عرض کی الٰہی ما الحکمۃ فی خلقی خداوندا در آفریدن من چہ حکمت ست[۴]، جواب آیا الحکمۃ فی خلقك رؤیتی فی مرآۃ روحك ومحبتی فی قلبك گفت حکمت آنست کہ جمال خود را در آئینہ روح تو بینم ومحبت خود در دل تو"[۵]

علامہ شیخ احمد غزالی برادر حجۃ الاسلام محمد غزالی کو آپ سے شرف بیعت حاصل تھا۔ (نفحات الانس)

---

[۱] طلب کے آئینہ میں سچائی کی آنکھ سے (مسعود) [۲] پانی کا تصور تشنگی نہیں بجھاتا، آگ کی فکر گرمی نہیں بخشتی اور طلب کا دعویٰ مطلوب تک نہیں پہونچاتا (مسعود) [۳] جب تک کہ موہوم وجود کو جلا نہ دیا جائے اور قلبی بصیرت کو اس کے ماسوا سے غیرت کی سوئی کے ذریعہ سی نہ دیا جائے، دل کا خلوت خانہ محبوب کے جلووں سے روشن نہیں ہوتا، کیونکہ کاشت شدہ زمین میں بیج نہیں ڈالا جاتا اور لکھے ہوئے کاغذ پر لکھا نہیں جاتا۔ (مسعود)
[۴] اے میرے خدا میری تخلیق میں کیا حکمت ہے (مسعود) [۵] تیری تخلیق میں حکمت یہ ہے کہ تیری روح کے آئینہ میں اپنا جمال اور تیرے دل میں اپنی محبت دیکھوں۔ (مسعود)

اور صاحب تاریخ السؤال نے بھی آپ کا مختصر تذکرہ لکھا ہے۔

شیخ ابوالعباس حرّار

احمد بن ابی بکر نام تھا، اصلاً تجیبی تھے اشبیلیہ میں نشو ونما پائی، اندلس کے عربوں میں تھے اشبیلیہ میں ایک بزرگ کی صحبت میں رہے جن کو لوگ ابوالعاص کہکر پکارتے تھے، وہ امام و محدث تھے بڑی محنت سے ان کی خدمت کی، اور ان کی نیز دوسرے فقراء کی خدمت سے نفع پایا، تاآنکہ سیدی جعفر اندلسی کا نام سُنا تو ایک جماعت کے ساتھ اشبیلیہ سے ان کی طرف ہجرت کی، جب اندلس پہنچے تو ایک گروہ نے کہا کہ ہم ابن المرأۃ سے ملیں گے، یہ ایک شخص تھا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، مگر ابوالعباس حرّار نے کہا کہ میں نے تو صرف ابواحمد جعفر کی وجہ سے ہجرت کی ہے، یہ سُنکر دوسروں نے بھی ان سے اتفاق کیا اور ان کے ساتھ سیدی ابواحمد کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں پہنچے تو دیکھا کہ بڑا عظیم الشان مجمع اکٹھا ہے اور متعدد آدمی جمع ہیں۔ متعدد چوبدار مقرر ہیں جن کو مختلف کام الگ الگ سپرد ہیں یہ لوگ پہونچے تو چوبداروں نے ان کو سیدی ابواحمد کے سامنے ایک صف میں کھڑا کیا، شیخ نے ان پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا کہ لڑکا مکتب میں جب معلم کے پاس سادی تختی لیکر آتا ہے تو اس پر معلم کچھ لکھ دیتا ہے لیکن تختی لکھی ہوئی ہو تو معلم کہاں لکھے گا لہٰذا جو آیا ہے واپس جائے۔

اس کے بعد ایک بار نظر ڈالی اور فرمایا کہ جو ایک پانی کے سوا دوسرا پانی نہیں پیتا اس کا مزاج خراب ہونے سے محفوظ رہتا ہے لیکن جو مختلف پانی پیتا ہے تو اس کا مزاج تغیر سے خالی نہیں ہوتا۔ یہ ان لوگوں کی طرف اشارہ تھا جن لوگوں نے یہاں آنے میں کسی اور سے بھی ملنے کی نیت کی تھی، شیخ ابوالعباس فرماتے ہیں کہ میں اللہ کا شکر بجالایا کہ اس نے مجھکو محفوظ رکھا اور میں ایک ہی کی نیت کرکے آیا تھا، پھر سیدی ابوجعفر نے چوبداروں کو اشارہ کیا وہ کھڑے ہوئے اور میرے ساتھیوں کو واپس جانے کا حکم دیا اور مجھکو تنہا ایک ایسے مکان میں جہاں شیخ کے مریدوں کی ایک جماعت تھی لیگئے، میں نے دیکھا کہ وہاں چار سو جوان ہیں سب کی عمر پندرہ برس تھی اس کے بعد شیخ ابوالعباس نے شیخ ابوجعفر کے حکم کے خلاف مجلس سماع قائم کرنے پر ان جوانوں کی گرفتاری پھر رہائی کا قصہ بیان کیا ہے اور شیخ ابویوسف دہمانی اور شیخ ابوعبداللہ قرشی کی خدمت و صحبت میں رہنے کا ذکر کیا ہے۔

سخاوی نے تحفۃ الاحباب میں لکھا ہے دکان ینسج الحریر السقلاطونی فسمی بالحرار یعنی شیخ ابوالعباس سقلاطونی ریشمی کپڑے بنتے تھے اس لئے ان کو حرار کہتے تھے (ص ۲۸۵)

امام ابو علی مرزوقی

نام و نسب احمد بن محمد بن الحسن، کنیت ابو علی، وطن اصفہان ہے، علم نحو و دیگر فنون عربیت بالخصوص لغت میں نیز ایام وعادات عرب کی واقفیت میں ان کو امامت کا درجہ حاصل تھا، علامہ سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ میں ان کو امام کے لقب سے یاد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ حد درجہ ذکی و تیز فہم تھے، حسن تصنیف، ہر مسئلہ پر زوردار دلائل قائم کرنے اور حسن انتخاب کا ملکہ ان کو بدرجۂ اتم حاصل تھا، ان کی تصنیفات میں جو خوبی و عمدگی و خوش سلیقگی ہے اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے، ابو علی فارسی کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا، استغنا کا یہ عالم تھا کہ صاحب بن عباد (وزیر دولت دیلمیہ) ان کے پاس آیا تو اس کی تعظیم کو کھڑے نہ ہوئے، اسی لئے جب وہ وزارت کے منصب پر فائز ہوا تو ان سے بڑی بے اعتنائی برتی (بغیہ ص ۱۵۹) یحییٰ بن مندہ نے لکھا ہے کہ ابو علی مرزوقی سے سعید بقال نے حدیث لکھی ہے اور ان کو اپنے معجم میں ذکر کیا ہے (معجم ج ۲ ص ۱۰۳)

تصنیفات سیوطی نے ان کی تصنیفات میں شرح حماسہ، شرح فصیح، شرح مفضلیات، شرح اشعار ہذیل، شرح موجز کے نام لئے ہیں۔

کتاب الازمنہ کا تعارف یاقوت نے کتاب الازمنہ کو بھی ان کی تصنیفات میں شمار کیا ہے، کتاب الازمنہ دائرۃ المعارف حیدرآباد (دکن) کی طرف سے ۱۳۳۲ھ میں چھپکر شائع ہو چکی ہے اور اس وقت میرے زیر نظر ہے، مقصد تصنیف زمان و مکان کی ماہیت اور ان کے احوال و اسماء و صفات اور دیگر متعلقات کا بیان کرنا ہے، ابتدا میں ایک مستقل باب ان آیات کی توضیح و تفسیر کے لئے مخصوص ہے جن میں رات دن یا ان کے کسی جزء کا یا آفتاب و ماہتاب کا یا آسمان و زمین کا یا ابر و باد کا ذکر ہے، اس باب میں کلمات قرآنی کی لغوی تحقیق جس عمدگی سے کی ہے، مخالف سے مخالف اس کو دیکھ کر ان کی امامت کا علانیہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا اس سلسلہ میں بہت سے مسائل کلامیہ پر بھی نہایت متین و تشفی بخش کلام کیا ہے اور اہل زیغ کے خیالات کا بطلان قوی دلائل سے واضح کر دیا ہے۔

اس کے بعد مختلف ابواب میں جن کی کل تعداد ۶۳ ہے، زمانہ کی ماہیت اس باب میں حکماء کے

خیالات اور ان کا دور زمانہ کی ابتدا، اس کے اقسام، مختلف اقوام و ملل کے خیالات کی رو سے سال کا آغاز عربی فارسی اور رومی مہینوں کے نام، اوراق مہینوں کے دنوں کا شمار، سال کے فصول و مواسم، ان کی تحدید اور ان کے آثار، بارش کے اوقات، نچھتروں کی تعداد، اور ہر ایک نچھتر میں بارش کی کیفیت، آسمان کے دوازدہ بروج اور ان میں آفتاب کے وقت حلول وغیرہ کی تعیین و تحدید، کواکب مشہورہ کے محل وقوع اور ان کے ذریعہ سے سمت قبلہ وغیرہ کی معرفت، اور اس قسم کے دوسرے صدہا مباحث پر سیر حاصل بحث کی ہے، اور ان تمام مباحث میں خصوصیت کے ساتھ اہل عرب کے معلومات و تجربات کو بڑے اہتمام سے بیان کیا ہے۔ اور استشہاد میں شعراء عرب کے ہزاروں شعر پیش کر کے، عموماً ان اشعار کی شرح بھی کی ہے۔

ان مباحث کے علاوہ ایک نہایت مفید و نادر مضمون جو عربی زبان سے شغف رکھنے والوں کے لئے بہت زیادہ قابل توجہ اور لائق مطالعہ ہے، اور جو اس تحقیق و جامعیت کے ساتھ دوسری کسی کتاب میں بمشکل دستیاب ہو سکتا ہے، یہ ہے کہ عربی زبان میں زمان و مکان سے متعلق جس قدر بھی الفاظ و تراکیب ہیں ان سب کی لغوی تشریح، نحوی اعراب ان کے مشتقے اور جمعیں اور ان سب کے لئے کلام عرب سے شواہد ایسے حیرت انگیز طریقہ پر بیان کئے ہیں کہ اس کو دیکھکر بڑے سے بڑا عالم بھی ششدر رہ جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ سید ابراہیم بن سید عباس رضوی نے اس کتاب کی نسبت اپنی عقیدت کا ان الفاظ میں اظہار کیا ہے ولئے تاملته وتصفحته من اوله واخره فرایته باکورة ذهرة وما لوس عصره، تبخل بمثله الایام ویتاح دون بنیله نفوس الاعلام بکان الشاعر فیه قال

هیهات لایاتی الزمان بمثله ‌ ‌ ان الزمان بمثله لبخیل

وایم الله انه لکتاب جل ان تدرك غایته وعزان تنال ذروته۔ اور مصنف کتاب کو ان الفاظ

لے (ترجمہ) میں نے اس کو بغور پڑھا اور از اول تا آخر اس کا مطالعہ کیا تو میں نے اسے نادرۂ روزگار پایا۔ جس کی نظیر زمانہ مشکل ہی سے پیش کر سکتا ہے، وہاں تک پہونچنے سے بلند ترین افراد بھی قاصر رہ جاتے ہیں۔ شاعر کا قول ہے، "بہت مستبعد ہے کہ زمانہ اس کا مثل پیش کر سکے زمانہ اس جیسے کے معاملہ میں بہت بخیل ہے"، بخدا وہ ایسی کتاب ہے جس کی غایت اور بلندی تک پہونچنا بہت مشکل کام ہے۔ (مسعود)

سے یاد کیا الامام المحقق الھمام المدقق شیخ المھندسین ومحلۃ المنجمین اسوۃ الادباء وقدوۃ العلماء ...... الفاضل الجلیل الحری بانواع التفضیل والتبجیل مدید الباع سدید الخیال ۔ وسیع الصدر رفیع القدر (خاتمہ کتاب الازمنۃ ج۲ ص۲۹۱ و ص۲۹۲)

کتاب الازمنہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مرزوقی کو فن ہیئت میں بھی بے نظیر مہارت حاصل تھی اس مہارت کا کافی ثبوت اصفہان کے سایۂ اصلی کا وہ جدول ہے جو انھوں نے ۳۹۲ یزدجردی میں تیار کیا ہے اس میں پورے سال کے بارہوں مہینوں میں نصف النہار کے وقت جتنا سایہ ہوتا ہے اس کی مقدار اقدام کے حساب سے بتائی ہے (دیکھو کتاب الازمنہ ج۲ ص۲۹۱) کتاب الازمنہ کی تصنیف سے پنجشنبہ ۱۳ جمادی الآخری ۴۰۵ھ کو فراغت حاصل ہوئی جیسا کہ اس کتاب کے آخر میں خود مصنف نے تصریح کی ہے۔

دوسری تصنیفات | اس کے علاوہ مرزوقی کی اور کوئی تصنیف ہماری نظر سے نہیں گذری، شرح حماسہ کی نسبت البتہ معلوم ہوا ہے کہ وہ شام میں بڑے اہتمام سے طبع ہو رہی ہے[1]

اور کچھ شبہ نہیں کہ وہ بڑی محققانہ شرح ہے اس سے اکابر محققین بھی بے نیاز نہ تھے

علامہ تفتازانی نے مختصر المعانی میں ایک شعر کے حل کے لیے امام مرزوقی کا حوالہ دیا ہے اور یاقوت نے اس کی نسبت لکھا ہے اجاد فیہ جدا (یعنی بہت عمدہ لکھا) کتاب الازمنہ میں مصنف نے اپنی ایک کتاب عنوان الادب کا بھی ذکر کیا ہے ۔

امام مرزوقی کی قومیت | شاید یہ بات تعجب سے سنی جائیگی کہ امام موصوف حائک (بافندہ) تھے، امام سیوطی اور یاقوت نے صاحب بن عباد (وزیر دولت دیلمیہ) کا مقولہ نقل کیا ہے کہ اصفہان کی سرزمین سے صرف تین عالم اٹھے، ایک حائک تھے، دوسرے اسکاف، تیسرے حلاج، حائک ابوعلی مرزوقی تھے، اسکاف ابوعبداللہ خطیب، اور حلاج ابومنصور (بغیہ ص۱۵۳ معجم الادباء ج۲ ص۱۰۳) صاحب کے اس مقولہ سے بھی ابوعلی کی علمی جلالت اور ان کے فضل وکمال کا پایۂ عالی سمجھا جاسکتا ہے ۔

آسمان علم وفضل کا یہ نیر تاباں ذی الحجہ ۴۲۱ھ میں غروب ہوگیا، یہ سن وفات سیوطی نے لکھا ہے لیکن کتاب الازمنہ کی تصنیف سے فراغت کا جو سن کتاب الازمنہ کے آخر میں لکھا ہوا ہے اس میں اگر کوئی تصرف نہیں ہوا ہے تو سیوطی کا لکھا ہوا سن وفات یقیناً غلط ہے مگر ان کا سن وفات یاقوت وغیرہ نے بھی ۴۲۱ھ ہی لکھا ہے ۔

---

[1] چھپ کر آگئی ہے اور ہم نے جستہ جستہ اس کو دیکھا ہے۔

حرار

احمد بن ابی بکر تجیبی اشبیلیؒ

شیخ یوسف بنہانی نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ اندلسی عرب تھے اور سقلاطونی لیشمی کپڑا بنتے تھے اس لئے ان کو حرار کہتے تھے اس کے بعد وہی قصہ ذکر کیا ہے جو صلہ! پر شیخ ابوالعباس حرار کے تذکرے میں آپ پڑھ چکے ہیں، دیکھئے جامع کرامات الاولیاء ص ۲۰ مگر ہمارے نزدیک اس میں شیخ یوسف نبہانی سے چوک ہوئی ہے۔

شیخ احمد سفید بافؒ

ملفوظات شیخ المشائخ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء میں ہے کہ شیخ احمد سفید باف مدتوں آدمیوں سے بالکل کنارہ کش رہے، اور جب آدمیوں سے ملنے لگے تو کسی سے بات نہیں کرتے تھے ایک زمانہ تک یہی کیفیت تھی، کسی محرم راز نے ایک دن کہا کہ جب آدمیوں میں آئے ہیں تو بات کیوں نہیں کرتے، فرمایا کس کی بات کروں مکوِّن کی یا مکوَّن کی، مکوِّن (خالق کائنات) بات میں سماتا نہیں یعنی بیان میں آسکتا نہیں، اور مکوَّن (مخلوقات) اس لائق نہیں کہ اس کی بات کی جائے، سلطان جی فرماتے ہیں کہ ان کی یہ رباعی بھی سننے میں آئی ہے ؎

تا من[1] بمیاں رسول نیایم با تو　　تنہا ز ہمہ جہان من و تنہا تو
خورشید نخواہم کہ برآید با تو　　آئی بر من سایہ نباشد با تو

شیخ احمد بن حسین ابوبکر زاھد شیرازی

شیراز کے مشہور عابد ہیں اور ان کی بہت سی کرامتیں منقول ہیں، شیخ ابوعبداللہ خفیف کے معاصر ہیں اور ان دونوں بزرگوں میں تقویٰ و تورع کے باب میں بہت سے مکالمات ہوئے ہیں۔

---

[1] (ترجمہ) جب تک کہ میں تیرے ساتھ رسول کے درمیان نہ آؤں، میں اور تو تمام دنیا سے تنہا ہوں گے میں نہیں چاہتا کہ تیرے ساتھ سورج آئے، تو جب آئے تو میرے اوپر سایہ نہ ہو۔ (مسعود)

منقول ہے کہ شیخ ابو عبداللہ خفیف کو ایک دفعہ انگور کی ایک شاخ راستہ میں مل گئی اس کو انھوں نے اٹھالیا اور گھر لیجا کر اس کو گاڑ دیا پھر وضو کا بچا ہوا پانی اس میں دیتے رہے تا آنکہ انگور پھلنے لگے، ایک دن انھیں انگوروں کا ایک خوشہ شیخ احمد کے پاس بھجوایا تو انھوں نے نہیں کھایا اور کہا کہ جب مجھکو یہ معلوم نہیں کہ اس شاخ کی اصل وبنیاد کیسی اور کیا ہے تو اس کو میں کیسے کھا سکتا ہوں۔

شیخ احمد کچھ کپڑا اپنے ہاتھ سے بُن لیتے تھے اور یہی ان کا ذریعۂ قوت تھا، ان کا معمول تھا کہ تانے بانے میں جہاں ٹوٹے ہوئے دھاگے کو جوڑتے تھے وہاں سرخ نشان لگادیتے تھے۔ ایک دفعہ کسی معاملہ میں شہادت دینے کے لئے گئے اس وقت انھوں نے اپنے عمامہ پر کچھ دھاگے لپیٹ رکھے تھے، قاضی نے از راہ امتحان ان سے سوال کیا کہ آپ کے سر پر کیا ہے انھوں نے سر سے عمامہ اُتارا اور انکو دیکھکر کہا کہ عمامہ ہے جس پر کچھ دھاگے لپٹے ہیں، قاضی نے تھوڑی دیر ادھر سے توجہ ہٹالی، اس کے بعد دوبارہ یہی سوال کیا تو انھوں نے پھر عمامہ سر سے اتار کر اور دیکھکر کہا کہ عمامہ ہے اور اس پر کچھ دھاگے لپٹے ہیں، قاضی نے کئی دفعہ ایسا ہی کیا اور انھوں نے ہر بار عمامہ اتار کر اور آنکھ سے دیکھکر جواب دیا تو قاضی نے بڑی معذرت کی ــــ جس زاویہ میں رہتے تھے اس کی کڑیاں بہت پتلی اور ٹوٹی سی تھیں، جب کوئی کڑی پھٹ یا ٹوٹ جاتی تو اس کے نیچے ایک دو تنکل رکھدیتے ان کی ہاتھ کی برکت سے وہ ٹھیک ہوجاتی، جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے وصیت کی کہ میرا جنازہ نکلنے کے پہلے سب لوگ اس کوٹھری سے باہر ہوجائیں۔

چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا اس کے بعد جیسے ہی اس میں سے جنازہ نکالا ویسے کوٹھری پست ہوگئی۔ بعد میں لوگوں نے اس کو از سر نو بنوایا اور وہ جگہ صلحا سے مدتوں آباد رہی، اس میں تلاوت و ذکر اور نماز کے لئے لوگ جمع ہوتے تھے، ۳۷۱ھ میں ان کی وفات ہوئی، ان کا مزار شیراز میں مشہور ہے (شد الازار مطبوعہ ایران) (شیراز نامہ مطبوعہ ایران میں بھی ان کا ذکر ہے۔

مولانا حاجی حافظ محمد اسماعیل بنارسی

مولوی خلیل الرحمٰن ناظم مدرسہ مظہر العلوم بنارس کے والد بزرگوار تھے، مولانا رضا علی صاحب بنارسی خلیفہ شاہ احمد سعید مجددی کے شاگرد رشید اور نہایت جید عالم تھے، فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں ان کا رسالہ درۃ النظام ان کے علم وفضل کا بیّن ثبوت ہے، ان کی وفات ۱۲۹۷ھ میں ہوئی۔

نزہۃ الخواطر میں بھی ایک مفتی محمد اسماعیل بنارسی کا ذکر ہے، ان کا سال وفات ۱۲۰۵ھ ہے، اگر وہ یہی مولانا اسماعیل ہیں تو سال وفات تحقیق طلب ہے۔

مولانا اصغر حسین بہاری پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ

ابتداءً مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں تعلیم پائی اور تکمیل دارالعلوم دیوبند میں کی، امیر شریعت مولانا محمد سجاد صاحب کے شاگرد تھے۔ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے مشکوٰۃ علم وعمل سے اقتباس نور کیا تھا، فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ بہار میں تدریس کی مسند پر جلوہ فرما ہوئے اور یہیں سے مدرسہ شمس الہدیٰ (پٹنہ) گئے اور حاجی معین الدین ندوی کے بعد اس کے پرنسپل مقرر ہوئے، ریٹائر ہونے کے بعد اپنے وطن میں تبلیغ دین وتصنیف وتالیف میں مصروف رہے، سوال وجواب کی شکل میں ترمذی کی ایک مختصر مفید شرح تنزل الثوی (عربی واردو) اور حجاز کا سفرنامہ بنام ارمغان حجاز اور تمہید تفسیر قرآن اور مقدمہ تفسیر قرآن آپ کی تصنیفات میں سے شائع ہو چکے ہیں۔ ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ (معارف نومبر ۱۹۴۹ء)

ابوبکر بن عبدالبر بن محمد موصلی شافعی

شذرات الذہب میں ان الفاظ کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

الشیخ الامام القدوۃ الزاهد العابد الخاشع العالم الناسك الربانی بقیة مشائخ الصوفیة وجنید الوقت ص ۲۲۲ ج ۷	شیخ، امام مقتدا صاحب زہد وعبادت وخشوع عبادت گذار ربانی عالم، یادگار مشائخ صوفیہ، جنید وقت۔

ان الفاظ میں ان کا تعارف کرانے کے بعد لکھا ہے کہ پہلے پہل جب وہ موصل سے قدس (شام) آئے تو قیبات میں انہوں نے سکونت اختیار کی، اور ایک زمانہ دراز تک مُبنائی کا کام کرتے رہے، اسی کے ساتھ علم دین کی تحصیل اور تصوف وسلوک کے منازل بھی طے کرتے رہے، مدتوں شیخ قطب الدین کی صحبت میں رہے، تصوف کی کتابوں کے ساتھ حدیث کی کتابوں کا مطالعہ بھی جاری تھا۔

چنانچہ ان کو بکثرت حدیثیں از بر تھیں جن کو وہ ان کے راویوں کے نام کے ساتھ ذکر کرتے تھے، فقہ

اور فقہاء کے کلام پر بھی ان کو اچھا خاصا عبور تھا، انھوں نے اپنے وطن ہی میں قرآن پاک پڑھنے کے بعد فقہ کی کتاب حاوی یاد کر ڈالی تھی، شام آکر تنبیہ یاد کی، اس کے بعد انھوں نے طلبہ کو پڑھانا اور ان کی تعلیم و تربیت شروع کی، شدہ شدہ ان کے صلاح و تقوی کی شہرت ہوئی اور ان کے بہت سے مریدین پیدا ہو گئے کچھ دنوں کے بعد دور دور ان کا شہرہ پہنچ گیا، اور ملک شام کے وزراء اور صوبوں کے گورنر ان کی خدمت میں حاضری دینے لگے اور ان کا حکم بجا لانے لگے، اسی اثناء میں ایک دفعہ وہ چپکے سے مصر چلے گئے انہوں نے کئی بار حج کیا۔

ابن حجر نے لکھا ہے کہ انھوں نے بہت حج کئے تھے پھر بادشاہ تک ان کا شہرہ پہنچا اور وہ بھی انکو نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھنے لگا، مصر کے بعد جب وہ قدس لوٹ کر آئے تو بادشاہ وقت الملک الظاہر خود ان کے گھر پر حاضر ہوا اور جس بالاخانہ پر ان کا قیام تھا اس میں جا کر ان سے ملا اور ان کی خدمت میں بہت گراں بہا نذرانہ پیش کیا، مگر انھوں نے لینے سے انکار کر دیا، اس واقعہ کے بعد جس بات میں مسلمانوں کے نفع کی امید ہوتی اس کے بارے میں وہ بادشاہ کو لکھا کرتے تھے، اور بادشاہ خوشی سے اسکی تعمیل کرتا تھا۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ وہ علم و عمل کے جامع تھے، اور تنبیہ اور منازل السائرین پڑھایا کرتے تھے، اور مخصوص ایام میں وہ وعظ و تذکیر کی مجلس بھی برپا کرتے تھے، ان کی مجلسوں میں بہت بڑے بڑے علمائے اعیان مثلاً شہاب زہری[1] اور شمس الدین مرغدی[2] حاضر ہوتے تھے، حافظ ابن حجر نے درر کامنہ میں ان کا ذکر دو جگہ کیا ہے، ایک جگہ ابوبکر بن عبد اللہ کے عنوان سے اور ایک جگہ ابوبکر بن علی بن عبد اللہ کے عنوان سے اور شذرات الذہب میں ان دونوں سے الگ ابوبکر بن عبد البر کے عنوان سے اُن کا ذکر ہے، لیکن بظاہر ابوبکر بن علی بن عبد اللہ صحیح ہے۔

سخاوی نے ابن رسلان کے حال میں لکھا ہے کہ انھوں نے ابوبکر موصلی کے ہاتھ سے بھی خرقہ تصوف پہنا تھا، ابن رسلان جس پایہ کے فقیہ و محدث اور مصنف، اور جس درجہ کے باخدا بزرگ تھے اس کو معلوم کرنے کے لئے الضوء اللامع میں ان کا حال پڑھئے۔

---

[1] ان کا نام احمد بن صالح بن احمد تھا، دار العدل کے مفتی اور شامیہ و عادلیہ کے مدرس تھے، تھوڑے دن قاضی بھی رہے، کثرت تلاوت اور عبادت و تقوی میں ان کی شہرت تھی، فقہائے شافعیہ میں بہت بلند مرتبہ رکھتے تھے، ۷۹۵ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

[2] شافعی مذہب میں امام اور علامہ تھے، نامور مصنف تھے، اپنے شہر میں فنون علم کے سب سے زیادہ جامع تھے، ۷۹۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

خود شیخ ابوبکر کا بیان ہے کہ میں جب مکتب میں سات برس کا تھا تو راستہ میں جہاں کوئی پیسہ یا درہم گرا ہوا مجھے نظر آتا تھا اس کو اٹھا کر سب سے قریب گھر میں دے آتا کہ یہ تمھارے گھر کے قریب گرا تھا۔
شیخ ابوبکر موصلی کی وفات ۷۹۷ھ میں ہوئی، ان کے صاحبزادے عبدالملک و ابراہیم اور پوتے احمد بھی مشاہیر اہل علم اور مشائخ طریقت میں تھے، ان دونوں کا ذکر سخاوی نے کیا ہے۔

احمد بن عبدالملک بن ابی بکر

سخاوی نے ان کی نسبت صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ ایک بڑے خاندان کے فرد تھے، میرے پاس اپنے ایک لڑکے کو لائے تھے جس نے مجھے منہاج، جمع الجوامع اور الفیہ سنایا، اور میں نے ان سے ان کے والد کی تاریخ وفات معلوم کی، اور نجم الدین غزی نے ذرا تفصیل سے ان کا ذکر کیا ہے، انھوں نے لکھا ہے کہ وہ دمشق و قدس کے مشائخ صوفیہ میں سے تھے اور اپنے دادا کی خانقاہ قدس اور خانقاہ دمشق دونوں کے شیخ اور سجادہ نشیں تھے، قاضی القضاۃ قطب الدین خیضری کی خدمت میں تحصیل علم کی اور اپنے چچازاد بھائی عبدالقادر بن ابراہیم کے ہاتھ سے خرقۂ تصوف پہنا، ابن طولون محدث دمشقی فرماتے تھے کہ میں انکی خدمت میں جامع اموی میں بہت بیٹھا ہوں اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوا ہوں انھوں نے زبانی کئی بار مجھکو اپنی مرویات کی اجازت بھی دی ہے۔ ان کی وفات ۹۲۵ھ میں ہوئی، ان کے دادا بافندگی کرتے تھے۔
ابن العماد حنبلی نے شذرات الذہب میں بایں الفاظ ان کا ذکر کیا ہے الصوفی الصالح الورع الزاهد العابد المحقق المسلک احد مشائخ الصوفیۃ (ص[illegible])

ابراہیم بن ابی بکر بن عبداللہ موصلی

شیخ ابوبکر موصلی کے صاحبزادے تھے، فی الجملہ علم فقہ میں ان کو درخور حاصل تھا، تصوف کی طرف زیادہ رجحان تھا اس لئے انھوں نے نہایت مضبوط تدین کے ساتھ اسی میں کمال پیدا کیا اور اپنے

والد کے ہاتھ سے خرقہ پایا، ان کی مالی حالت بہت بہتر تھی، کسی سے کوئی نذرانہ نہیں لیتے تھے، بلکہ اپنے مریدوں کو کسی کا دیا ہوا کھانے سے منع کرتے تھے، یہی ان کے والد کا بھی طریقہ تھا، لوگ ان کے بید معتقد تھے اسی لئے جس حاکم یا امیر کے پاس ان کا پیغام یا سفارش پہونچتی وہ شاذ و نادر ہی نامنظور ہوتی تھی۔

انھوں نے بیشتر حج کئے اور ہر دفعہ کچھ قیام کر کے لوگوں کو بہت نفع پہونچاتے تھے۔ سنہ ۸۱۸ھ میں آخری حج کر کے واپس ہو رہے تھے کہ راستہ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور تبوک میں مدفون ہوئے (سخاوی) ان کے والد کے حال میں معلوم کر چکے ہو کہ وہ کپڑا بنتے تھے۔

احمد بن محمد فارسکوری

شیخ شہاب الدین احمد بن معین الدین محمد بن الحاج علی بن معین بن سابق فارسکوری شافعی معروف بابن معین تقریباً سنہ ۸۰۰ھ میں پیدا ہوئے، والد کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا، ابتدا میں بافندگی ذریعۂ معاش تھا، اس کے بعد پڑھنے پڑھانے کا شوق ہوا، قرآن کریم کے بعد رحبیہ اور تحفہ پڑھکر قاہرہ اور اسکندریہ چلے گئے، اور برابر علم کی طلب میں لگے رہے، جو فاضل ملجاتا اس سے استفادہ کر لیتے تھے، تا آنکہ نحو میں دسترس ہو گئی اور شعر کہنے لگے، علامہ ابن فہد وغیرہ نے ان کے جو اشعار ان سے سنکر لکھے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے۔

لا تلمني على سكوتي صاح ۱   انا مذ ذقت حبهم غير صاح

سخاوی فرماتے ہیں کہ نہایت دیندار، نیک اور فقر آشنا تھے، ان کے شہر کے لوگ ان کے بڑے مداح تھے، سنہ ۸۴۰ھ تک زندہ تھے۔ (ضوء لامع ص ۱۵۳ ج ۲)

احمد بن ناصر باعونی

شیخ شہاب الدین احمد بن ناصر بن خلیفہ بن فرج بن عبداللہ بن یحییٰ بن عبدالرحمٰن باعونی مقدسی ناصری (باعون صفد کے قریب ایک جگہ ہے اور ناصرہ بھی وہیں دوسری جگہ ہے) شافعی المذہب

---

۱ اے ہوشمند! میرے سکوت پر مجھے ملامت نہ کر۔ میں نے جب سے ان کی محبت کا مزہ چکھا ہے، مدہوش ہوں۔ (مسعود)

نزیل دمشق، ناصرہ میں تقریباً ۷۵۱ھ میں پیدا ہوئے، اور وہیں نشو ونما پائی، اور قرآن پاک منہاج اصول، منہاج فروع اور الفیہ بن مالک وغیرہ یاد کیا اور اپنے محفوظات تاج الدین سبکی وغیرہ کو سنائے، اور ابو حیان کے شاگرد ابو العباس سے نحو کی تحصیل کی، زعلش، ابن امیلہ اور شمس بن محب وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی، اور خوشخطی سیکھی،

۷۹۰ھ کے بعد قاہرہ آئے اور بادشاہ مصر الظاہر برقوق نے ان کی بڑی قدر ومنزلت کی دمشق کے جامع بنی امیہ کا ان کو امام مقرر کیا پھر وہاں کے قاضی مقرر ہوئے، اور اپنے فرائض نہایت خوبی و دیانت سے انجام دیئے،

ایک بار بادشاہ نے یتیموں کے مال سے جو ان کی نگرانی میں تھے، قرض مانگا تو انھوں نے انکار کر دیا، اس وجہ سے عہدہ قضا سے برطرف کر دیئے گئے، اس کے بعد ۸۰۲ھ میں بیت المقدس کے خطیب مقرر ہوئے، ملک ناصر کے زمانہ میں دوبارہ قاضی دمشق ہوئے۔

سخاوی فرماتے ہیں کہ شہاب الدین احمد مذکور امام فائق، دیندار، صاحب فضل، آمر بالمعروف ناہی عن المنکر، خوش شکل، نورانی چہرہ والے تھے، ان کی نظم ونثر دونوں فائق تھی، ۸۱۶ھ میں بمقام دمشق فوت ہوئے، سخاوی نے مقریزی سے نقل کیا ہے کہ ان کے باپ باجونہ کے بافندہ تھے، بعد میں یہ کام چھوڑ کر کپڑے کی تجارت کرتے تھے، اس کے بعد مقریزی نے ان کی فصاحت وبلاغت، خوش کلامی وحاضر جوابی اور عفت وغیرہ کی بڑی تعریف کی ہے (ضوء لامع صفحہ ۲۲۴)

احمد شرباصی فارسکوری

احمد بن شہاب الدین بن احمد بن شہاب بن احمد بن عباس شرباصی ثم فارسکوری خامی المعروف بابن الادیب، ۸۰۰ھ میں تقریباً پیدا ہوئے، لکھنا نہیں جانتے تھے، با ایں ہمہ طبیعت نہایت موزوں تھی، اور شعر خوب کہتے تھے، بافندگی ذریعۂ معاش تھا امام ابن فہد، بقاعی اور ابن الامام نے ۸۲۷ھ میں ان سے ملکر ان کا ایک قصیدہ حاصل کیا جس کا مطلع یہ تھا۔

من ذا الذی من مقلتیہ یقیتی ھذا الذی اخلصت فیہ یقینی[1]

---

[1] کون ہے جو مجھے اس کی نگاہوں سے بچائے گا، یہی وہ ذات ہے جس پر میں نے کامل یقین کر لیا۔ (مسعود)

ان کے باپ شہاب الدین بھی ادب میں بہت شہرت رکھتے تھے (ضوء لامع صلا۱۲)

شیخ احمد بن عمر حمامی علوانی

شیخ احمد بن عمر حمامی علوانی حلوتی شافعی، دراصل حماۃ کے باشندہ تھے، لیکن اپنے مشائخ کی وفات کے بعد حلب میں آکر مقیم ہو گئے، اس وقت تک بافندگی ذریعۂ معاش تھا، کچھ دنوں کے بعد شیخ شمعون کی مسجد میں الفیہ، شرح قطر الندی اور منہاج وغیرہ کی تعلیم دینے لگے، سدرمق پر اکتفا کرتے تھے، موٹے جھوٹے کپڑے پہنتے تھے، شیخ ابو الوفاء علوانی کے پاس مقدمات علوم حاصل کئے تھے، اور شیخ ابو الجواد کے درس تفسیر میں حاضر رہا کرتے تھے، محبی نے ان کو الشیخ البرکۃ (سراپا برکت بزرگ) کے لقب سے یاد کیا ہے اور یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ ان کے شیخ ابو الوفاء نے مسجد کے تیل کی نگرانی ان کے حوالہ کی تھی، یہ برابر بوقت ضرورت بسم اللہ کر کے تیل دیا کرتے تھے، بہت دنوں کے بعد کسی نے از راہ حسد شکایت کی کہ ان سے نگرانی نہیں ہوتی، ان کے شیخ نے ان سے کنجی لیکر شکایت کرنے والے کو دیدی، وہ ایک ہفتہ کے بعد آیا کہ تیل ختم ہو گیا تو شیخ نے کہا کہ برکت احمد کے ہاتھ میں تھی، ان کے ہاتھ میں کنجی ہوتی تو تیل سالوں تک ختم نہ ہوتا، شیخ احمد صاحب تصانیف عالم ہیں، محبی نے ان کے چند عربی اشعار اور بعض علمی نکات نقل کئے ہیں، محبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اکثر اوقات صرف ایک روٹی پر قناعت کرتے تھے، ۱۰۳۸ھ میں وفات پائی (خلاصۃ الاثر ص۲۵۷ ج۱)

احمد بن احمد حرستی

سید مرادی نے لکھا ہے کان من الافاضل والفقہاء الصالحین وجیہا مقبولا (سلک الدرر ص۱۲۶) یعنی بڑے فاضل اور نیکوکار فقیہ اور صاحب وجاہت و مقبولیت بزرگ تھے، مدۃ العمر علامہ عمادی کے لڑکوں کے پاس کاتب فتوی کے منصب پر قائم رہے، شیخ اسمٰعیل حائک مفتی شام کے نواسے اور احمد بن محمد حرستی کے لڑکے تھے، ۲۲ ربیع الاول ۱۱۶۶ھ کو وفات پائی۔ (سلک الدرر ص ج۱)

احمد بن محمد بن مصطفےٰ حرستی

دمشق میں سکونت پذیر تھے، پندرہ برس سے زیادہ علامہ کمال الدین یحیی دمشقی سے علم فرائض

وغیرہ کی تحصیل میں مشغول رہے، نیز شیخ اسماعیل حائک مفتی کی خدمت میں بھی مصروف تحصیل اور
ملازم خدمت رہے، تاآنکہ شیخ نے اپنی دامادی میں بھی ان کو قبول کرلیا، شیخ کے علاوہ مفتی عمادی کے
پاس کاتب فتویٰ کے منصب پر فائز تھے، فرائض وحساب میں دو رسالے ان کی تصنیفات میں ہیں، سید
مرادی نے لکھا ہے الشیخ العالم الفقیہ الفرضی الحیسوب الفاضل کان احد الافاضل والفقہاء
المفوہ نبھم والبارعین فی علم الفرائض والحساب یعنی بڑے فاضل فقیہ اور علم فرائض وحساب میں
فائق عالم اور شیخ تھے، ۱۰۴۰ھ میں ولادت اور ۱۱۱۵ھ میں وفات ہوئی، سابق الذکر احمد بن احمد حرستی
ان کے لڑکے تھے،

شیخ احمد بعلی

احمد بن عبداللہ بن احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن مصطفےٰ حلبی الاصل، بعلی دمشقی حنبلی، ۱۱۰۸ھ میں
پیدا ہوئے، اور بہت سے علماء کی خدمت میں علم حدیث وفقہ وفرائض واصول کی تحصیل کی، جامع اموی
دمشق میں درس دیا، اور بہت سے لوگ آپ سے منتفع ہوئے، اور علم فرائض واصول فقہ وغیرہ میں کئی کتابیں
تصنیف کیں، آخر عمر میں حج کے لئے گئے اور مدینہ منورہ میں درس دیا، شیخ ابراہیم مواہبی کے بعد ۱۱۵۵ھ میں
مذہب حنابلہ کے قرار پائے، سید مرادی نے ان کو امام متورع، فقیہ زاہد، بقیۃ العلماء العاملین کے اوصاف
سے یاد کیا ہے اور کہا ہے کہ ہم نے جن علماء کو پایا ہے ان میں کسی کو ان سے عمدہ طریقہ پر نہیں پایا،
پھر لکھا ہے کان یاکل من کسب یمینہ فی حیاکۃ الا لاجۃ یعنی الاجہ (ایک قسم کا کپڑا) بنتے تھے اور
اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے، محشی نے لکھا ہے الالاجۃ نوع من الا قمشۃ (الاجہ ایک قسم کا کپڑا ہے)
علامہ سید سلیمان نے الاجا کا ترجمہ کا ملائی کیا ہے، علامہ شامی صاحب ردالمحتار شیخ احمد بعلی کے شاگرد بالواسطہ
تھے، شامی کے استاد محمد شاکر محدث بعلی کے شاگرد تھے، شامی نے عقود اللآلی ص ۲۶ میں لکھا ہے کہ ان کا فضل
مشہور اور نام بلند تھا، فتویٰ وغیرہ میں مرجع خلائق تھے، زہد وتقویٰ میں ان کا پایہ بہت اونچا تھا شامی نے
ان کی پابندگی کا بھی ذکر کیا ہے۔ محرم ۱۱۸۹ھ میں وفات پائی۔ (سلک الدرر ص ۱۳۳)

سید احمد بن سید محمد فلاقنسے

نہایت نامور شاعر اور انشا پرداز ادیب تھے، سید مرادی نے سلک الدرر میں ان کے بہت

اشعار نقل کئے ہیں، اور لکھا ہے کہ قلاقنس حمص کے نواح میں ایک بستی ہے وہاں سے انتقال مکانی کرکے ان کے دادا سید محمود، دمشق چلے آئے، اور محلہ قیمریہ میں اقامت اختیار کی، الاجہ (ایک قسم کا کپڑا) بننے کا کام کرتے تھے، اور اس صنعت میں انھوں نے بڑا نام پیدا کیا تھا، سید احمد کی وفات ۱۱۷۳ھ میں بمقام دمشق ہوئی، ان کے چچازاد بھائی عاصم بھی بڑے اعلیٰ درجہ کے ادیب وانشاپرداز تھے، انھوں نے ۱۱۷۰ھ میں وفات پائی، وہ سید محمود الاجہاتی کے پوتے تھے، سید احمد کے حقیقی بھائی فتح اللہ دمشق کے اعاظم روسا میں تھے ۱۱۵۹ھ میں مقتول ہوئے۔ (سلک الدرر)

سید اسعد حرستی

احمد بن احمد حرستی کے لڑکے یعنی شیخ اسماعیل حائک مفتی شام کے نواسے کے صاحبزادہ تھے، ان کی ماں سیدہ تھیں، اس لئے مرادی نے ان کے نام کے ساتھ سید لکھا ہے اور شیخ فاضل وفقیہ کامل کے اوصاف سے ان کو یاد کیا ہے، علم فرائض میں بڑے ماہر تھے، مسائل فقہ میں ید طولیٰ حاصل تھا، دوسرے فنون میں بھی دخل تھا، مفتی حامد عمادی کے کاتب فتویٰ تھے، اخیر عمر میں نہایت فائق فقیہ ہوگئے تھے، ستانیہ کے امام تھے، ۱۱۸۲ھ میں باون ۵۲ سال کی عمر میں وفات پائی،

خواجہ ابراہیم

حضرت عزیزان کے چھوٹے صاحبزادے ہیں، حضرت عزیزان نے اپنی وفات کے وقت ارشاد وتلقین کی اجازت انھیں کو عطا فرمائی تھی، ۷۹۳ھ میں وفات پائی، حضرت عزیزان بافندہ تھے، جیسا کہ ان کے حالات میں معلوم ہوگا،

شیخ ابو اسحاق گازرونی

آپ کا نام ابراہیم، اور باپ کا نام شہریار تھا، شہریار پہلے مجوسی تھے، پھر مشرف باسلام ہوئے، حضرت شیخ اور ان کے جملہ بھائی بہن اسلام کے بعد تولد ہوئے ہیں، شیخ ابو اسحٰق حضرت ابو علی حسین بن محمد فیروز آبادی اکار خلیفۂ شیخ ابو عبد اللہ خفیف کے مرید و تربیت یافتہ تھے، جس طرح

علم باطن میں بڑا عالی پایہ رکھتے تھے، علم ظاہر میں بھی غیر معمولی عظمت کے مالک تھے، گازرون، شیراز بصرہ، مکہ اور مدینہ میں بہتیرے محدثین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے حدیث کی سماعت کی، مکہ میں شیخ ابوالحسن علی بن عبداللہ جہضم ہمدانی کو دیکھا تھا اور اُن سے روایت بھی کرتے ہیں۔

قناعت کا یہ عالم تھا کہ ایک وزیر نے ہرچند کوشش کی کہ آپ اس سے کوئی نذرانہ قبول فرمالیں لیکن نہ لیا۔ آپ کی وفات ذی القعدہ ۴۲۶ھ میں ہوئی (نفحات الانس ص۲۳۹)

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں " او جولاہہ بچہ بود در دیہے ساکن بود مگر وقتے در ایام صغر ریسمانے تنتہ می کرد شیخ ابوعبداللہ خفیف بر رگذشت دو رو نظر کرد تا چہ بدید در سیمارا او ابواسحٰق را گفت تو دست بر دست من نہ و بگو کہ من مرید تو شدم ابواسحٰق ہمچناں کرد دست شیخ بگرفت و مرید شد" (فوائد الفواد ص۲۵)

حضرت شاہ مجا قلندر کے مکتوبات ص۲۳۵ میں ہے " ابواسحٰق گازرونی پسر جولاہہ بود" یہی مضمون ص۳۲ میں بھی ہے، فوائد الفواد اور مکتوبات شاہ مجا دونوں کتابوں میں مذکور ہے کہ شیخ ابواسحٰق نے مرید ہونے کے بعد اپنے پیر سے پوچھا کہ میں کیا کروں، پیر نے کہا کہ جو کھاؤ اس میں سے دوسروں کو بھی دو، اس وقت سے ان کا ہمیشہ سے یہ معمول رہا کہ جب کھانا آتا اس میں سے کسی کو ضرور کچھ دیدیتے۔

ایک دفعہ تین درویش اس گاؤں میں پہونچے مگر قیام نہیں کیا چلے گئے، شیخ ابواسحٰق کے جی میں آیا ان کی خدمت کرنی چاہیئے، اس وقت تین روٹیاں ان کے پاس تھیں، ان روٹیوں کو لیکر دوڑتے ہوئے درویشوں کے پاس پہونچے، اور روٹیاں ان کے آگے رکھدیں، وہ تینوں اہل دل تھے، آپس میں کہنے لگے کہ اس لڑکے نے ہماری خدمت کی ہے ہم کو بھی کچھ کرنا چاہیئے، ایک بولا کہ میں نے اس کو دنیا دی، دوسرے نے کہا کہ دنیا کی وجہ سے فتنہ میں پڑیگا میں نے اس کو عقبیٰ دیا، تیسرا بولا درویش جوانمرد ہوتے ہیں میں نے اس کو دونوں دیئے، سلطان المشائخ فرماتے ہیں ابواسحٰق ایک کامل الحال شیخ ہوئے، اور آج تک کہ ان کی وفات کو صدیاں گذرگئیں ان کے روضہ میں اس قدر فتوح اور نذریں آتی ہیں جن کا حساب نہیں۔

سید صفی الدین گازرونی، شیخ ابواسحٰق مذکور کے بھانجے تھے، شیخ نے ان کو خلافت دے کر کہا

کہ ایک اونٹ پر سوار ہو جاؤ اور وہ جہاں بیٹھ جائے وہیں اقامت کرو، اونٹ آتے آتے وہاں ٹھہرا جہاں آج شہر اُچہ ہے، انھیں سید صفی الدین کی اولاد سے شیخ ابو الفتح ہیں جن کی صاحبزادی مخدوم ثانی شیخ عبد القادر کی والدہ تھیں، مخدوم ثانی کی وفات سنہ ۹۴۰ھ میں ہوئی اور مزار اُچہ میں ہے (اخبار الاخیار ص۱۹۹)

شیخ احمد نہروالی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اکابر اولیائے ہند میں سے ہیں، شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی، سلطان نظام الدین اولیاء اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلی جیسے مشائخ کبار نے آپ کو بہت زیادہ سراہا ہے۔ سلطان جی کا ارشاد ہے کہ شیخ الاسلام بہاء الدین ملتانی بہت کم کسی کو پسند کرتے تھے لیکن شیخ احمد نہروالی کے حق میں فرماتے تھے کہ اگر احمد کی مشغولی کو تولیں تو دس صوفیوں کا سامان ہوگا (فوائد الفواد ص۱۷۳ و اخبار الاخیار ص۴۶)

سلطان جی فرماتے ہیں کہ جوانی میں شیخ احمد ہندی کہتے تھے اور آواز نہایت اچھی تھی فقیہ مادھو جامع مسجد اجمیر کے امام تھے، انھوں نے سُنا تو کہا مجھے افسوس ہے کہ اتنی اچھی آواز تم ہندی گانے میں خرچ کرتے ہو، میاں! قرآن پاک یاد کرلو، نصیحت کارگر ہوئی اور شیخ احمد نے قرآن پاک یاد کرلیا۔ سلطان جی سے لوگوں نے پوچھا کہ شیخ احمد کس کے مرید تھے، فرمایا لوگ ایسا کہتے ہیں کہ فقیہ مادھو سے ان کو نعمت ملی تھی (فوائد ص۱۷۲) لیکن شیخ عبد الحق نے لکھا ہے کہ قاضی حمید الدین ناگوری کے مرید تھے، اور حضرت چراغ دہلی کے بیان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

آپ کو شیخ قطب الدین بختیار کاکی سے بھی صحبت رہی ہے، چنانچہ سلطان جی کا ارشاد ہے کہ جس واقعۂ سماع میں شیخ قطب الدین کی وفات ہوئی ہے، اس میں شیخ احمد نہروالی بھی موجود تھے،

سلطان جی کا ارشاد ہے کہ شیخ احمد جب جامع مسجد کی طرف روانہ ہوتے تھے تو ان کے مریدوں کا جمگھٹا بھی ساتھ ہوتا تھا، ایک درویش تھے جن کو علی شوریدہ کہتے تھے وہ ہر دفعہ ان کو ٹوکتے اور کہتے کہ اس بھیڑ کے ساتھ جامع مسجد نہ جایا کرو اور مریدوں کو ساتھ نہ لے چلو، ایک دن شیخ احمد اسی صورت سے مسجد جا رہے تھے، راستہ میں دیکھا کہ ایک آدمی کسی کو لاتیں مار رہا ہے شیخ احمد مع مریدین وہاں پہونچے

اور اس کو ملقہ میں لیکر مظلوم کو چھڑا لائے، اسی اثنا میں شیخ علی شوریدہ بھی پہونچ گئے، شیخ احمد نے ان کو دیکھا تو فرمایا کہ دیکھئے ایسے ہی کاموں کے لئے گھر سے مریدوں کو ساتھ لیکر نکلتا ہوں (فوائد ص۱۶۸)

سلطان جی کا ارشاد ہے کہ ایک رات شیخ احمد کے گھر میں ایک چور گھس آیا، اور تمام گھر چھان مارا کوئی چیز نہیں ملی، جب اس نے جانے کا ارادہ کیا تو شیخ احمد نے اس کو قسم دلاکر آواز دی کہ ذرا دیر رک جا، اس کے بعد کارگاہ کے پاس آئے، سات گز کپڑا بن چکے تھے، اس کو کاٹ کر چور کے حوالہ کیا اور کہا اب جاؤ، چور کپڑا لیکر چلا گیا، لیکن دوسرے دن وہ چور اور اس کے ماں باپ تینوں نے حاضر ہو کر شیخ کے قدموں میں اپنے سر ڈال دیئے، اور اس کام سے توبہ کی (فوائد ص۲۵)

شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کا بیان ہے کہ شیخ احمد کو کبھی کبھی کارگاہ ہی میں ایک حال پیدا ہو جاتا تھا کہ وہ آپے میں نہ ہوتے تھے، ہاتھ کام سے رک جاتا تھا اور کپڑا خود بخود بنتا جاتا تھا،

نیز آپ ہی کا بیان ہے کہ ایک دن قاضی حمید الدین شیخ احمد کو دیکھنے آئے، ملاقات کے بعد جانے لگے تو فرمایا کہ احمد اس کام میں کب تک رہوگے، یہ کہکر چلے گئے، اسی وقت شیخ احمد اُٹھے کہ کھونٹی (میخ) ڈھیلی ہو گئی ہے ذرا اس کو مضبوط کرلیں، اتفاق سے اس کو مضبوط کرنے میں کسی طرح ان کا ہاتھ ٹوٹ گیا، شیخ احمد نے کہا کہ اس پیر نے میرا ہاتھ توڑ دیا۔ اس کے بعد انھوں نے یہ کام چھوڑ دیا اور بالکلیہ مشغول بخدا ہو گئے (اخبار الاخیار ص۲۴)

آپ کی وفات سنہ ۶۶۱ھ میں ہوئی (علی ما فی خزینۃ الاصفیاء) مزار مبارک بدایوں میں ہے مرآۃ الاسرار میں ہے کسب بافندگی کردے، اھ

احمد بن خفاجا صفدی

شیخ شہاب الدین احمد بن خفاجا، صفد کے باشندہ تھے، اور وہاں کے شیخ و زاہد تھے، علامہ سخاوی لکھتے ہیں کہ نہایت خوب، نیکوکار، صاحب خیر، زاہد اور عابد و قانت تھے، صفد کے تمام لوگ انکے بید معتقد تھے، کسی سے کوئی نذرانہ نہیں لیتے تھے، بافندہ تھے، اور پہلے بافندگی ہی ذریعۂ معاش تھا، اخیر میں انگور کے چند درختوں پر قناعت کرلی تھی، بڑی عمر پائی تھی، ۱۷ رجب سنہ ۸۵۸ھ میں بمقام صفد انتقال کیا (ضوء لامع جلد ۱ ص۲۹۲)

شیخ اسماعیل حائک مفتی شام

نام ونسب اسماعیل بن علی بن رجب بن ابراہیم ہے، اصل میں حلبی ہیں پھر دمشقی ہوگئے، ۱۰۴۰ھ میں پیدا ہوئے، بچپن ہی سے علم کا شوق تھا، اس لئے اپنے والد کے کارخانۂ بافندگی سے بھاگے بھاگے پھرتے تھے، اور جامع مسجد اموی (دمشق) میں آکر قرآن مجید پڑھا کرتے تھے، یہ بات ان کے باپ کو بڑی شاق گذرتی تھی، بہرحال وہ اس کے باوجود طلب علم میں برابر لگے رہے، اور حسب ذیل اکابر علماء کی خدمت میں علوم کی تحصیل کی۔

شیخ اسماعیل نابلسی دمشقی (یہ سب سے جلیل القدر استاذ تھے)، فاضل محمد محاسنی، ولی شیخ ابوبکر المعروف بمعزل الطرقات، شیخ ابراہیم فتال، شیخ محمد علاء الدین الحصکفی مصنف درمختار، ملا محمود بن عبدالرحمن کردی اور شیخ عبدالباقی حنبلی، موخر الذکر نے شیخ اسماعیل حائک کو اپنے دست خاص سے نہایت جامع وشاندار اجازت نامہ (سند) لکھکر دیا، انھوں نے گو تمام اساتذہ سے تحصیل علم کی لیکن اکثر وبیشتر مصنف درمختار سے نفع اٹھایا،

تحصیل کے بعد بڑی شہرت پائی، بڑا نام پیدا کیا، اور بہتوں کو دولت علم سے مالا مال کیا، جامع اموی، مسجد مغربیہ اور درویشیہ میں بیٹھکر درس دیا، اکثر فضلائے دمشق نے ان کے آگے زانوئے شاگردی تہہ کیا اور ایک بڑی جماعت ان سے متمتع ہوئی،

۱۰۷۳ھ میں صالحیہ (دمشق) کے مدرسہ شبلیہ میں مدرس مقرر ہوئے، ۱۰۸۰ھ میں بلا درخواست بلکہ بغیر اس کے کہ کوئی اشارہ کنایہ کیا ہو دمشق کے مفتی مقرر ہوئے، اور اس اہم خدمت کو نہایت عالمانہ شان سے انجام دیا، دنیا داری کے جذبہ کی کوئی جھلک بھی نہیں پائی گئی، اسی نیکنامی وحسن کارگذاری کا نتیجہ تھا کہ اپنے وفات تک برابر اس عہدۂ جلیلہ پر برقرار رہے، مفتی ہونے کے ایک سال بعد ۱۰۸۱ھ میں جامع اموی (جو دمشق کی سب سے بڑی شاہی مسجد ہے) کے امام وخطیب مقرر کئے گئے

سلک الدرر کا مصنف لکھتا ہے کہ بہرحال فقہ ودیگر علوم میں وہ اپنے وقت کے شیخ تھے، بالآخر ۱۴ جمادی الاولی ۱۱۱۲ھ کو علم وعمل کا یہ آفتاب روپوش ہوگیا، اور حضرت اوس بن اوس ثقفی صحابی رسول کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا (یہ سارے حالات سلک الدرر سے لئے گئے ہیں)

شیخ کی جلالت و عظمت شیخ کی عظمت کا کچھ تھوڑا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سلک الدرر کے مصنف نے پانچ سطروں میں بالفاظ ذیل آپ کی مدح سرائی فرمائی۔

مفتی الحنفیۃ بدمشق الامام العلامۃ المحقق البحر الحبر الفہامۃ کان من اجل العلماء الفقہاء ناسکا، قواما متعبدا زاھدا ورعا، عاملا، صالحا، متقشفا مفیدا لہ ید طولی فی سائر الفنون لاسیما الفقہ فانہ کان فقیہ الشام فی عصرہ مع حسن الطبع واللطف، وحسن المعاشرۃ ومعرفۃ اللغات الثلثۃ الترکیۃ والعربیۃ والفارسیۃ

(سلک الدرر صہ ۲۵۶ ج ۱)

دمشق میں مفتی احناف، امام، علامہ، محقق، بحر العلم، عالم بزرگ، فہامہ، جلیل القدر فقیہ، عالموں میں ایک، عبادت گذار، شب زندہ دار، متعبد زاہد، متقی و محتاط، باعمل صالح متقشف نفع بخش و فیض رساں، تمام فنون میں ان کو ید مہارت تھی خصوصا فقہ کہ وہ شام کے فقیہ تھے، پھر پاکیزہ طبع، و خوش اخلاق تھے، تینوں زبانیں ترکی، عربی اور فارسی جانتے تھے،

(سلک الدرر صہ ۲۵۶ ج ۱)

علامۃ المتاخرین سید ابن عابدین شامی جیسے محقق نے بھی اسماعیل حائک کے فتاوی سے بہت استفادہ کیا ہے، اور انھوں نے اپنی بے نظیر کتاب رد المحتار میں جگہ جگہ اس کے حوالے دیئے ہیں،

اس باخندہ زادہ امام فقہ کے آگے جن اکابر علماء نے زانوے شاگردی تہ کیا ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، احمد بن سوار دمشقی صاحب فتاوی تاجیہ محمد بن عبد الرحمٰن تاجی اور شارح بخاری محمد کفیری امام علامہ ابو العباس غزی، امام اسماعیل یازجی (انتفع بہ و لازمہ) امام ہمام شیخ اسماعیل عجلونی فاضل کامل رحمۃ اللہ ایوبی، مجتہد حنفی شیخ رمضان بن عبد الحی، امام محقق عبد الجلیل مواہبی حنبلی وغیرہم بالخصوص رمضان بن عبد الحی تو شیخ اسماعیل حائک کے اخص تلامذہ میں سے تھے، اسی طرح یازجی بھی مدتوں ان کے ملازم صحبت رہے، اور امام احمد درویش حلواتی نے بھی مدتوں تک حاضر خدمت رہکر بڑا نفع اٹھایا،

ان تمام اکابر کا رتبہ معلوم کرنے کے لئے سلک الدرر کا مطالعہ کرنا چاہیئے، جس وقت اسماعیل حائک دمشق کی شاہی مسجد جامع اموی میں خطیب مقرر ہوئے تو شیخ صادق خراط نے قطعہ تاریخ لکھا

مذ[1] اماما العلوم تام خطیبا و ترقی الی المقام السعیدا

---

[1] جب امام علوم منصب خطابت کے مبارک مقام پر پہنچا اور اس کے چہرے سے نور ہویدا ہوا، تو میں نے جو اس کی تاریخ نکالی کہ اس نے اپنے نور سے منبر توحید کو منور کر دیا۔

وبدا النور وجهه تلمت انرخ   مزين بالنور منبر التوحيد

اس عالم کی عظمت وجلالت کا اندازہ اس سے لگاؤ کہ اس کی وفات پر ایک سید (سید مصطفیٰ حماوی) نے حسب ذیل مرثیہ اور تاریخ وفات لکھی ہے۔

مفتی دمشق خطیبها [ع۱]   علامة الاعلام

الكامل المولى الهمام [ع۲]   اجل كل همام

صدر الشريعة كنزها [ع۳]   بحر العلوم الطامي

كهف الائمة [ع۴] وارث النعمان   خير انام

علم الهداية ركنها [ع۵]   بدر العلاء السامي

ذو الهمة العلياء [ع۶] والمجد الاثيل النامي

فرد الوجود وغوثه [ع۷]   غيث الانام الهامي

العابد الناسك [ع۸] افضل ناسك قوام

لما ابتغى دار البقاء [ع۹]   وجه ذي الاكرام

وافى الى الفردوس [ع۱۰]   بالاجلال والاعظام

لاقاه رضوان [ع۱۱] برضوان وحسن مقام

وسالت عنه [ع۱۲] الهاتف الغيبي باستفهام

هل نال ما يرضيه [ع۱۳] من عز ومن انعام

ع۱ ۔ دمشق کا مفتی اور خطیب اور عظیم عالم ع۲ کامل اور بزرگ آقا ہے اور تمام بزرگوں سے بڑھ کر ہے،
ع۳ ۔ شریعت کا صدر اور اس کا خزانہ ہے، علم کا موجزن سمندر ہے۔ ع۴ علماء کا مرجع، ابوحنیفہ کا وارث اور اہل زمانہ میں سب سے بہتر ہے ع۵ ہدایت کا مینار اور رکن ہے، ماہ تمام ہے۔ (مسعود)
ع۶ ۔ صاحب عزم وحوصلہ ہے اور کارہائے نمایاں انجام دینے والا ہے۔ ع۷ یگانۂ روزگار ہے، سخی اور جواد ہے۔ ع۸ عابد وزاہد اور بڑا پرہیزگار ہے۔ (مسعود)
ع۹ ۔ جب عالم فانی سے عالم جاودانی اور کریم آقا کی طرف روانہ ہوا۔ (مسعود)
ع۱۰ ۔ اور پورے اعزاز واکرام کے ساتھ جنت الفردوس تک پہونچا۔ (مسعود)
ع۱۱ ۔ تو فرشتہ رضوان نے بڑی خوشی اور تکریم کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ (مسعود)
ع۱۲ ۔ میں نے ہاتف غیبی سے اس کے بارے میں دریافت کیا۔ (مسعود)
ع۱۳ ۔ کہ کیا اس کو ایسی عزت اور انعام حاصل ہوا جس سے وہ خوش ہو جائے۔ (مسعود)

فقال بتاریخین فی بیت جواب علا ہمی
عتال الرضی ارخت اسماعیل مفتی الشام
سلک الدرر ۲۵۸/۱

سنہ ۱۱۱۳
مرادی نے محمد کفیری شارح بخاری کے اساتذہ کے سلسلہ میں خیر الدین رملی، عبد الغنی نابلسی اور شرنبلالی وغیرہ کے نام ذکر کئے ہیں، اور اسی سلسلہ میں جب شیخ اسماعیل حائک کا نام لکھا ہے تو لکھا ہے وھو اجلھم یعنی حائک ان سب میں جلیل ترین تھے۔ (ص ۴۳)

اسماعیل بن ناصر باعونی

عماد الدین اسماعیل بن ناصر باعونی، ابراہیم بن ناصر مذکور کے بھائی اور ناصریہ (شام) کے شیخ و مقتدا بزرگ اور درویش تھے، صاحب تجارت تھے، اور وجاہت و دولت بھی حاصل تھی، ان کے باپ ناصر باقندہ تھے، (دیکھو ان کے بھائی ابراہیم کا حال) ۸۰۹ھ میں بعمر ۹ سال یا ماہ ذی الحجہ انتقال کیا، حافظ ابن حجر نے ان کا تذکرہ اپنے انباء میں اور حافظ سخاوی نے ضوء لامع ج ۲ ص ۳۰۳ میں کیا ہے۔

شیخ ابراہیم سفیدباف

شیخ رکن الدین گنگوہی فرماتے ہیں کہ "درویش وقت بود" یعنی وقت کے درویش تھے، حضرت قطب العالم شیخ عبد القدوس گنگوہی کے مرید تھے اور آپ کی حیات ہی میں انتقال فرمایا، شیخ رکن الدین فرماتے ہیں کہ ان کے جنازہ کی نماز خود قطب العالم نے پڑھائی، اور فرمایا کہ اس میت کا مرتبہ بلند در فیع دکھائی دیتا ہے، اس کے بعد مولانا سماء الدین ملتانی[۳] (جو بہت زیادہ صلاح ظاہر

---

[۱] تو میری بات کے جواب میں دو تاریخیں نکالیں۔ [۲] مفتی شام اسماعیل نے خوشنودی حاصل کر لی۔ (مسعود)

[۳] مولانا سماء الدین ملتانی سید شریف جرجانی کے شاگرد مولانا سماء الدین کے شاگرد اور شیخ کبیر کے مرید تھے، علوم رسمی و حقیقی کے جامع اور صاحب تقویٰ و تورع تھے، لمعات عراقی بیان کے حاشی ہیں اور مفتاح الاسرار نام کا ایک رسالہ بھی ان کی تصنیفات میں سے ہے، تاریخ وفات جمادی الاولیٰ ۹۰۱ھ مزار بالائے حوض شمسی دہلی (اخبار الاخیار)

سے آراستہ تھے) نے انتقال فرمایا، قطب العالم ان کی نماز جنازہ میں بھی تھے فرمایا کہ اس میت کا مرتبہ ابراہیم کے مرتبہ کی طرح میں نہیں دیکھتا، اور اس کے بعد سے ابراہیم کا نام لیتے تو تعظیماً شیخ ابراہیم کہتے تھے (لطائف قدوسی ص۵۷-۵۸)

علامہ شیخ ابراہیم بن محمد شامی

شیخ اسماعیل حائک مفتی شام کے قریب رشتہ دار اور ان کے شاگرد رشید تھے، شیخ اسماعیل مذکور کے فتاوی انھیں نے جمع کئے ہیں جیسا کہ سلک الدرر میں مذکور ہے، آپ کی وفات ۱۱۲۷ھ میں ہوئی۔ (سلک الدرر ص۲۵ ج۱)

ابراہیم کردی فارسکوری

ابراہیم بن خلیل بن عمر بن احمد بن خلیل بن ابراہیم فارسکوری کردی حائک (بافندہ) معروف بابن النشاوی فارسکور میں تقریباً ۸۱۷ھ میں پیدا ہوئے، خوشگو شاعر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں کئی قصیدے لکھے، علامہ ابن فہد اور بقاعی نے ۸۳۸ھ میں ان سے ملکر ان کا وہ قصیدہ حاصل کیا جس کا مطلع یہ ہے ؎

قد[1] فاق وجهك بدر تم مقمرا — وكذا قوامك فاق غصنا مثمرا

سخاوی فرماتے ہیں کہ ابراہیم نہایت خوب، باوقار اور رقیق القلب آدمی تھے، ان پر خیر و سکینہ کے آثار ظاہر تھے، نحو میں فضیلت و کمال سے خالی نہ تھے (ضوء لامع ص۸۴ ج۱)

ابراہیم بن احمد بن ناصر باعونی

شیخ برہان الدین ابو اسحق ابراہیم بن شہاب الدین ابو العباس احمد بن ناصر مقدسی ناصری باعونی دمشقی صالحی شافعی، شب جمعہ ۲۷ رمضان ۷۷۷ھ کو صفد میں پیدا ہوئے، وہیں نشو و نما پائی، اور قرآن پاک یاد کیا، صفد کے امام جامع مسجد کے پاس تجوید سیکھی، سن بلوغ کے قریب اپنے والد کے ساتھ شام گئے اور شرف غزی وغیرہ سے فقہ کی تحصیل کی اور ابن زبیاری کی صحبت میں علوم

---

[1] تیرا چہرہ تابانی میں ماہ کامل سے بھی بڑھ گیا اور تیرے قد و قامت نے پھلدار ڈالی پر سبقت حاصل کی۔ (مسعود)

ادبیہ حاصل کئے، اور ۸۰۰ھ کے بعد مصر گئے اور ایک برس سراج بلقینی کی ملازمت میں رہے اور کمال دمیری کی صحبت میں رہکر ان کی بعض تصانیف حاصل کیں، اور اسی وقت عراقی وھیثمی کی خدمت میں سماعت حدیث کی، وہاں سے فراغت کر کے اپنے وطن میں آکر نہایت نیکنامی کی زندگی بسر کی، خطابت وغیرہ کی خدمتیں نہایت خوبی سے انجام دیں، حکومت کیطرف سے بعض جلیل القدر عہدوں پر نامزد ہوئے لیکن انھوں نے منظور نہیں کیا، جو کام کئے انتہائی دینداری سے کئے،

صحاح جوہری کا نہایت بہتر اختصار کیا، ایک مجموعہ خطب اپنے انشار خاص سے تیار کیا، صاحب دیوان شاعر تھے، اور بھی کئی تصنیفیں کیں، متعدد ائمہ نے ان کے فضائل و کمالات کو سراہا ہے، بلاد شامیہ کے یکتا شیخ الادب سمجھے گئے اور ان کے لئے مایۂ فخر و باعث زینت،

ابن خطیب ناصریہ نے ان کو شیخ امام، عامل فاضل بلیغ کے الفاظ سے یاد کیا ہے، اور ایک دوسرے مصنف نے شیخ امام، علامہ خطیب الخطبا، شیخ الشیوخ، لسان العرب، ترجمان الادب، برہان النظر فرید العصر وغیرہ الفاظ سے ان کا ذکر کیا ہے، علامہ سخاوی نے ان کے متعدد اشعار و قطعات نقل کئے ہیں) ضور لامع جلد ۱ ص ۲۶-۲۹)

ابراہیم کے دادا ناصر باشندہ تھے، جیسا کہ مقریزی کے حوالے سے سخاوی نے لکھا ہے (ضوء لامع جلد ۱ ص ۲۲)

شیخ ابراہیم نبتیتی

بڑے صاحب کرامات بزرگ تھے، محبی نے خلاصۃ الاثر اور شیخ عبدالرؤف مناوی نے کواکب دریہ میں لکھا ہے کہ مجذوب، صاحب کشف و کرامات اور بڑے بلند حالات رکھنے والے بزرگ تھے، پہلے نبتیت میں باشندگی کرتے تھے، جب جذب طاری ہوا تو اسی حال میں قاہرہ پہونچے، اور بیس برس سے زیادہ رہکر پھر نبتیت چلے گئے، ۱۰۳۰ھ میں وفات پائی، مصر کے ایک وزیر نے ان کے مزار پر ایک عظیم الشان قبہ تعمیر کرایا (خلاصۃ الاثر ص ۳۱)

حضرت ابراہیم بن اسحٰق قدس سرہ

حمص (شام) کے باشندہ اور ولی کامل تھے، علامہ سید مرادی نے لکھا ہے کہ ان کی ولایت پر سب کا اجماع و اتفاق تھا، اور عوام و خواص ان کے یکساں معتقد تھے، پشمینہ بننے کا کام کرتے تھے، یاد الٰہی سے کسی وقت بھی غافل نہیں رہتے تھے، داڑھی بہت لمبی تھی، کبھی کبھی بننے کی حالت ہی میں جذب طاری ہو جاتا تھا، جب افاقہ ہوتا تو دیکھتے کہ داڑھی بھی بن گئی ہے اس لئے کچھ بنا ہوا حصہ اُدھیڑ کر دوبارہ بنتے تھے، ضرورتمند ہمسایوں کا مفت پانی بھر دیا کرتے تھے، سید مرادی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی نسبت یہ بات قریب قریب متواتر ہے کہ ایک سال وہ باوجودیکہ حجاج کے قافلہ کے ساتھ حج کے لئے گھر سے نہیں نکلے مگر دیکھنے والوں نے ان کو عرفات میں دیکھا اور ملکر بات چیت کی، ۱۱۶۰ھ کے بعد وفات پائی، اور حمص کی جامع مسجد میں جو جامع وحشی و توبان کے نام سے مشہور ہے مدفون ہوئے (سلک الدرر ص۲۳)

ابو بکر بن المجنون

شیخ صالح تقی الدین ابو بکر دمشقی عاتکی المعروف بابن المجنون، عارف باللہ، سیدی علامہ ابو الفتح مزی کی جماعت کے ایک فرد تھے، بہت متقی، پاکیزہ باطن نیک پرہیزگار تھے، سوت کا کپڑا بنتے تھے اور اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے، رمضان ۹۶۱ھ میں وفات پائی (کواکب سائرہ ص۱۱۷ ج۲)

ابو بکر بن قُندس

تقی الدین ابو بکر بن ابراہیم بن یوسف بعلی ثم الصالحی الدمشقی حنبلی، المعروف بابن قُندس تقریباً ۸۰۹ھ میں بمقام بعلبک (شام) پیدا ہوئے، بڑے ہونے پر اپنے والد کی طرح بافندگی کا کام شروع کیا، کچھ دنوں بعد پڑھنے لکھنے کا خیال ہوا، تو بہت تھوڑی مدت میں بالغ ہونے سے پہلے ہی قرآن پاک یاد کر لیا، حفظ قرآن کے ساتھ بافندگی کا مشغلہ بھی برابر جاری تھا، اسکے بعد فقہ حنبلی میں عمدہ نامی کتاب پڑھی، اب اپنے والد سے فقہ حنبلی کی مقنع نامی کتاب خریدنے

کی درخواست کی تو ناداری کی وجہ سے وہ معذور رہے، ناچار کسی طالب علم نے ان کو تنبیہ (فقہ شافعی) دیدی انھوں نے اسی کو یاد کرنا شروع کر دیا، لیکن کچھ یاد کرنے کے بعد مقنع مل گئی تو اس کو اور اصول میں طوفی اور نحو میں الفیہ و لمحہ وغیرہا کو یاد کر ڈالا، اس کے بعد ایک مدت مدید تک تاج الدین بن بردس کی خدمت میں حاضر رہکر فقہ کی تکمیل کی تا آنکہ انھوں نے ان کو افتاء اور تدریس کی اجازت بھی دیدی لیکن یہ ان کی زندگی بھر خدمت سے علیحدہ نہ ہوئے، انھیں کے پاس صحیح بخاری، و سیرۃ ابن ہشام بھی پڑھی تاج الدین سے پہلے شرف الدین بن مفلح نے بھی ان کو درس و افتاء کی اجازت دیدی تھی ۸۳۲ھ میں حج کی سعادت حاصل کی، واپسی پر چند دنوں اپنے وطن رہکر دمشق چلے آئے اور وہیں متوطن ہوگئے، انھوں نے فن عربیت کی تحصیل قطب یونینی وغیرہ سے اور معانی و بیان کی دمشقیوں کی ایک جماعت سے اور دمشق آنے والے علماء میں سے ملا یوسف رومی وغیرہ سے، اور اصول کی بدر عصیاتی سے، اور منطق کی سید شریف جرجانی اور تجرید کی ابراہیم بن صدقہ سے کی، کچھ حافظ ابن حجر سے بھی حاصل کیا۔

الحاصل علم کی طرف ایسی توجہ زائد کی کہ تمام فنون میں ماہر اور فقہ، اصول، تفسیر، تصوف، فرائض، عربیۃ منطق اور معانی و بیان میں متبحر تھے، اکثر انسانی کمالات و فضائل سے ان کو خاصا حصہ ملا تھا نہایت ذہین و ذکی، درست فہم، قوی الحافظہ، فصیح و لسان تھے، ان کے عہد میں انھیں کے پاس طلبہ کا ہجوم رہتا تھا، ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان کے متعدد شاگرد نہایت باکمال اور نامی ہوئے، دمشق میں انھیں کی بدولت اللہ نے حنبلی مذہب کو زندگی بخشی، جامع حنابلہ میں وعظ بھی کہتے تھے، ان کے وعظ سے عام خاص سب کو نفع ہوتا تھا، ان ساری خوبیوں کے ساتھ ان کی دینداری نہایت ٹھوس، ان کا تقوی نہایت مضبوط تھا، تقشف تواضع، اور زہد و عفاف بہت بڑھا ہوا تھا، صوم و صلوٰۃ و تہجد کے نہایت پابند تھے، گمنامی و گوشہ نشینی پسند تھی، نہایت با مروت و صاحب ایثار افلاس کے باوجود داد و دہش کے عادی اور دنیاداروں سے سخت متنفر تھے، مناصب کی طرف منہ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے اکثر و بیشتر بافندگی ذریعہ معاش تھی، تمام طلبہ و فقہاء کو ان سے محبت تھی اور اپنے اوصاف میں یکتا تھے، ان کا نام نہایت مشہور ہوا اور ان کے مذہب والے ان کی ذات پر فخر کرتے تھے، تصنیفات میں ان کے چند حواشی ہیں، ان کی کسی تحریر کی بناء پر بعض مخالفوں نے نائب حاکم کے پاس ایک مجلس منعقد کی لیکن فقہاء کی پوری جماعت ان کے مقاومت کی تاب نہ لاسکی۔

مقر آئے تو تمام اکابر خصوصاً حافظ ابن حجر نے ان کی بہت تعظیم کی اور ان کی آمد سے حد درجہ خوش ہوئے، حافظ نے کچھ کپڑے اور کتابیں تحفہ میں پیش کیں، وہیں علامہ سخاوی بھی ان سے ملے ان کا بیان ہے کہ میں ان کی نگاہ کرم اور دعائے خیر سے منتفع ہوا، علامہ مرادی ان کو علامۃ زمانہ فی البحث والتحقیق کے عنوان سے ذکر کیا ہے اور ابن ابی عذیبہ نے لکھا ہے کہ شیخ الحنابلۃ بالشام وامامهم ومفتیهم وعالمهم وزاهدهم، ۸۷۱ھ میں وفات پائی، اور ابن قدامہ کے جوار میں مدفون ہوئے، سخاوی کا بیان ہے کہ انھوں نے اپنے بعد اپنا کوئی ہمسر نہیں چھوڑا (ضوء لامع ج ۱۱)

شیخ ابوالحسین سرکی

آپ مکہ معظمہ میں مجاور و معتکف ہوگئے تھے، بڑے پایہ کے ولی تھے، ایک دن صوفیوں کے ساتھ مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے درویشی کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی سب کی باتیں سننے کے بعد انھوں نے فرمایا کہ درویشی کے متعلق آپ لوگ اتنی باتیں بگھار رہے ہیں لیکن درویشی وہ چیز ہے کہ اگر اس کو دیوار پر لکھ دیا جائے تو ہم میں سے کوئی اس دیوار کے پاس بھی نہ گذرے گا، صوفی لوگ ان کی اس بات سے بہت برہم ہوئے کہ یہ کیا بات کہہ رہے ہیں، لو اب ہم درویش نہ ٹھہرے، ایک جولاہا آکر ہم کو درویشی کے دائرہ سے خارج قرار دیتا ہے، مجلس میں کچھ سن رسیدہ مشائخ بھی تھے انھوں نے جب فرمایا کہ ابوالحسین ٹھیک کہتے ہیں تب برہمی دور ہوئی۔

اس کے بعد ابوالحسین سرکی عمرہ کرنے چلے گئے، جب واپس ہوئے تو ہر ایک صوفی کے سر کو چومتے تھے اور معذرت خواہی کرتے تھے، مشائخ میں سے ایک نے پوچھا کہ آپ نے بات تو سچ کہی تھی لیکن اب جو آکر ان کے سر چوم رہے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ آپ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ ابوالحسین نے جواب دیا کہ صاحب! آج سے پہلے جب میں عمرہ کے لئے جاتا تھا تو راستہ میں کچھ آیتیں کچھ درود شریف پڑھتا ہوا جاتا تھا، آج جو گیا تو راستے بھر بس اسی خیال میں غلطاں پیچاں رہا کہ انھوں نے یہ کہا تو میں یہ جواب دوں گا اور یہ کہا تو یہ جواب دوں گا غرض راستہ بھر بحث و مباحثہ میں مصروف رہا اس لئے میں نے واپس آکر اپنے دل کا علاج کیا ہے کہ بلا تم چاہے حق پر ہو یا ناحق پر، میں اپنے دل کو بس ایک خیال ایک کام کی طرف متوجہ رکھنا چاہتا ہوں۔

ے[1] بحث و تحقیق میں یکتائے زمانہ عے[2] شام کے حنبلیوں کے شیخ، ان کے امام، مفتی اور عالم و زاہد۔ (مسعود)

شیخ الاسلام ہروی نے فرمایا ہے کہ
شیخ ابوالحسین سری کی تزیین بافتہ شیخ ابوالحسین سری ریشمی کپڑا بنتے تھے (نفحات الانس ص۱۵۶)

شیخ الگو نورباف

شوال ۱۲۷۱ھ میں شاہ غلام حسین کے ساتھ جو لوگ ہنومان گڈھی کی مسجد کے قصہ میں شریک جہاد ہوئے تھے، ان میں شیخ الگو نورباف بھی اپنی قوم کے دس بارہ آدمیوں کے ساتھ تھے، انھوں نے بھی اس مسجد پر اپنی جان قربان کی اور جام شہادت نوش کیا (گم گشتہ حالات اجودھیا ص۱۴۵)

شیخ ابوبکر نسّاج

باپ کا نام عبداللہ تھا، طوسی الاصل تھے، شیخ ابوالقاسم گرگانی سے ارادت وخلافت حاصل تھی، ابوبکر دینوری کی صحبت پائی تھی، مشاہیر اولیائے کاملین میں سے تھے، حجۃ الاسلام امام محمد غزالی کے بھائی شیخ احمد غزالی ان کے مرید تھے، عارف جامی نے نفحات الانس ص۲۳۲ میں اور دارا شکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں اور مولوی صدیق حسن نے تقصار میں ان کا ذکر کیا ہے، اور ان کے بعض ملفوظات بھی نقل کئے ہیں پانچویں صدی کے اواخر میں انتقال کیا۔

ابوتمام مصنف دیوانِ حماسہ

دیوان حماسہ تمام عربی مدارس کے نصاب درس میں داخل ہے اور اس کے مصنف سے عربی مدارس کا بچہ بچہ واقف ہے لیکن یہ بات کم لوگ جانتے ہیں کہ عربی زبان کا یہ فاضل ادیب اور صاحب دیوان شاعر بھی بافندہ تھا، تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ وہ دمشق میں ایک بافندہ کے یہاں نوکری کے طور پر بننے کا کام کرتا تھا (دیباچہ حماسہ مصنفہ مولوی اعزاز علی) ابوتمام کی ولادت سنہ ۱۹۰ھ اور وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی۔
ابوتمام کے تذکرہ میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ اس کا باپ نصرانی تھا، اور اس کا نام تدوس عطار تھا، لوگوں نے تدوس کو اوس بنا ڈالا اور طی (مشہور قبیلہ طے کے جداعلی) تک ایک نسبنامہ تصنیف کرکے ابوتمام کو طائی کہنے لگے (دیباچہ حماسہ وغیرہ)

شیخ ابو بکر یمنی

اصل باشندہ یمن کے تھے، مگر مکہ معظمہ میں مقیم تھے، قصب دکتان کا کپڑا بنتے تھے، ابن سعد الدین جبادی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ شامی مالِ تجارت لیکر مکہ گئے، جو سودا ہمارے ساتھ تھا۔ اس کا بازار میں اس وقت کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ اتفاق سے شیخ ابوبکر سے ملاقات ہوگئی انھوں نے حال پوچھا اور اپنا کام کرنے لگے، جب اٹھے تو انھوں نے کہا چالیس محلق لاؤ۔ ہمارے پاس کل چالیس ہی محلق تھے، ہم نے دیدیئے، انھوں نے دعا کی، اس کے بعد فوراً ہی دلال آنا شروع ہوئے اور ہمارے پاس جتنا مال تھا سب بک گیا۔ (خلاصہ صـ۱۱ ج ۴)

حضرت شاہ برخوردار لکھنوی

لکھنؤ کے محلہ انعامی ٹولہ میں سکونت تھی اور رہائندہ تھے، سید محمد ہاشم[1] کے مرید و خلیفہ تھے، اپنے زمانہ کے بزرگوں میں صاحب حال قوی وہمت بلند تھے، محمد باقی مرید آنحضرت نے رسالہ مرآۃ الارواح میں ان کے کلمات متبرکہ (ملفوظات) جمع کئے ہیں، اس میں ایک ملفوظ آپ کا یہ ہے کہ "شریعت اس کو کہتے ہیں کہ اپنے کو مخلوقات میں سب سے کمتر سمجھے اور ماسوی اللہ سے دل ہٹالے اور نفس امارہ کو اس طرح شکست دے کہ بشریت کی بو باقی نہ رہے اس وقت إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً کے معنی معلوم ہوں گے" آپ کو اسماعیل خاں نے اپنے لڑکے کی صحتیابی کے لئے دعا کرنے کو طلب کیا جواب دیا کہ فقیر کسی کے گھر نہیں جاتا بچہ کو یہیں لائیں، وہ نہیں لایا، بچہ مر گیا، اس کینہ میں اسماعیل خاں نے ایک شخص کو ان کے قتل پر مقرر کیا۔ اس نے سنہ ۱۱۵۰ھ میں ان پر قاتلانہ حملہ

۱؎ سید ہاشم شاہ ارزاں جونپوری کی اولاد میں تھے، تحصیل علم کے لئے لکھنؤ آئے اور تکیہ شیخ پیر محمد میں اقامت کی تو قائم چانک مرید شاہ آفاق سے دوستی ہو گئی اور اسی دوستی کی بدولت محمد قائم کے گھر پر مقیم ہوئے بیس سال تک علم ظاہر و باطن کی تحصیل و تکمیل، اور مجاہدات میں مشغول رہنے کے بعد حضوری حرمین شریفین کی سعادت حاصل کی، واپسی میں سورت پہونچ کر سید سعد اللہ سلونی ثم السورتی کے ہاتھ پر بیعت اور کسب فیوض کے بعد لکھنؤ آکر پھر محمد قائم مذکور کے مکان پر مقیم ہوئے اور صاحب تاثیر اولیا میں ہوئے، قدوۃ المتوکلین (جد امجد صاحب بحر زخار غالباً) ان کی نماز جنازہ میں شریک ہونے کو گئے تو ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا مردانہ آمدی و مردانہ رفتی شاہ ہاشم کی وفات سنہ ۱۱۲۵ھ میں ہوئی محمد قائم کی مسجد کے پشت پر ایک بلند مقام میں ان کا مزار ہے (بحر زخار و ۱۲۸۱ھ)

کرکے انکو زخمی کر دیا اسی زخم سے اُن کی وفات ہوئی (بحر زخار ص۱۴۴)

مولانا بہادر مئوی

آپ کا ذکر مولانا سید عبدالحی نے نزہتہ الخواطر جلد ہفتم میں کیا ہے، بنارس وغیرہ میں علم حاصل کیا، بڑے جید عالم اور نہایت باخدا اور متقی تھے، بنائی ذریعہ معاش تھا ۱۲۱۵ء یا ۱۲۱۱ء میں انتقال فرمایا۔ مولف کہتا ہے کہ یہ مختصر حالات مولوی احمد مکرم عباسی کی کتاب تاریخ مکرم سے صاحب نزہتہ الخواطر نے نقل کئے ہیں، میرا گمان غالب ہے کہ بنارس میں مولانا بہادر نے مولنا احمد علی چریا کوٹی سے علم کی تحصیل کی ہے، اور مولانا بہادر سے مولانا محمد قائم امام جامع مسجد مئو نے پڑھا ہے، سنا ہے کہ جس مسجد میں تاڑ کی شہتیر (دھنی) لگی ہوتی تھی اس میں نماز نہیں پڑھتے تھے۔

بکر بن احمد ابوالقاسم نسّاج

بکر بن احمد بن محمی بن کثیر بن صلح ابوالقاسم نسّاج بغدادی الاصل ہیں، مگر واسط میں سکونت اختیار کر لی تھی، اور وہیں یعقوب بن تحیہ سے سنی ہوئی حدیثیں بیان کیں، خطیب بغدادی کے استاد قاضی ابوالعلاء محمد بن علی یعقوب نے ان سے روایت کی ہے (تاریخ خطیب ص۹۵ ج۷)

شیخ بھولا سفید باف سہارن پوری

قطب العالم حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مرید تھے، شیخ رکن الدین خلف وخلیفۂ قطب العالم لکھتے ہیں کہ "مرید ومخلص وصالح بود" یعنی وہ اخلاص مند ونیکو کار مرید تھے، ایک دفعہ ان کو مالیخولیا کی بیماری ہوگئی اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ کھانے پینے اوڑھنے پہننے کی بھی سُدھ نہ تھی رشتہ داروں نے ایک چارپائی پر لٹا کر رسیوں سے باندھ دیا، اسی حالت میں بھولا کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے پاس شیخ عبدالقدوس اور شیخ احمد عبدالحق رد دولوی تشریف لائے اور رسیاں کھول دیں، اسی درمیان دو قلندر ظاہر ہوئے کہ بھولا کو پھر باندھیں، شیخ عبدالقدوس نے باندھنے نہ دیا، اس کے بعد قلندروں نے کہا کہ اس کی پیشانی پر ہم داغیں گے، شیخ نے فرمایا کہ ہمارے مریدوں کے پاس آگ نہیں آسکتی، قلندروں نے کہا اس بیماری کو داغنا ضروری ہے، شیخ نے فرمایا کہ ایسا ہی ہے تو تیر کی ایک

انگلی میں داغو، قلندروں نے دیں داغا، اسی حالت میں شیخ نے ایک تعویذ دیا، بھولا نے اس کو سر میں باندھ لیا، اس کے بعد اسی وقت بھولا کے ہوش و حواس درست ہوگئے اور کیا دیکھتے ہیں کہ رسیاں کھلی ہوئی ہیں اور بیماری بھی جاتی رہی ہے۔ تعویذ سر میں بندھا ہوا ہے، پیر کی انگلی میں داغ بھی موجود ہے۔

بھولا کے بھائی راجے تھے وہ یہ کیفیت مشاہدہ کرنے کے بعد پیروں کا شکرانہ لیکر شاہ آباد (اس وقت حضرت شیخ شاہ آباد میں مقیم تھے) پہونچے، حضرت دیکھتے ہی مسکرائے، اور فرمایا کہ الحمد للہ بھولا کو صحت ہوگئی، راجے نے قدم چوما اور کہا کہ یہ پیر دستگیر کی شفاعت کا صدقہ ہے۔

(لطائف قدوسی مصنفہ شیخ رکن الدین)

خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ

نام محمد، تاریخ ولادت محرم ۷۱۸ھ، بخارا سے ایک کوس کے فاصلہ پر قصر عارفان ایک مقام ہے اسی کو آپ کے مولد ہونے کا شرف حاصل ہے) آپ نے حضرت سید امیر کلال کی خدمت میں مقامات سلوک طے کئے اور خلافت پائی، سلسلہ نقشبندیہ آپ ہی سے قائم ہوا، حضرت خواجہ علاء الدین عطار، حضرت خواجہ محمد پارسا اور مولانا یعقوب چرخی وغیرہم آپ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں، آپ کے مقامات، مناقب اور حالات میں صدہا کتابیں تصنیف ہوچکی ہیں، از انجملہ خواجہ محمد پارسا کے تلمیذ رشید خواجہ ابو القاسم بن محمود بن مسعود بخاری کا ایک رسالہ ہے جس کا نام الرسالۃ البہائیۃ ہے، میں نے اس رسالہ کو دیکھا ہے۔

دارا شکوہ سفینۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں :۔

وجہ تسمیۂ نقشبند در رسالہ بہائیہ کہ در مقامات خواجہ است می نویسند کہ حضرت می فرمودند من و پدر من بصنعت کمخاب بافی و نقشبندی مشغول می بودیم، و ہمیں نقل را بخط حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامی قدس سرہ نیز نوشتہ یافتم۔	رسالہ بہائیہ میں جو حضرت خواجہ کے مقامات کے بیان میں ہے نقشبند کی وجہ تسمیہ یہ لکھتے ہیں کہ خود خواجہ بزرگ فرماتے تھے کہ میں اور میرے والد کمخاب بنتے اور نقشبندی کا کام کرتے تھے، اور مولانا جامی کے قلم سے بھی لکھی ہوئی یہ نقل میں نے دیکھی ہے۔

حضرت خواجہ بزرگ کی ولایت اور سلسلہ نقشبندیہ کی امامت کا شہرہ چار دانگ عالم میں ہے۔ اس لئے تطویل کی حاجت نہیں ۔

شیخ عبدالرحمن چشتی مرآۃ الاسرار میں نقشبند کہے جانے کی کئی وجہیں لکھکر فرماتے ہیں کہ " خواجہ عبدالرزاق[1] یکے از فرزندان خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ کہ بفضل فضائل انسانی ممتاز بود وامروز در ہندوستان مثل او دیگرے در سلسلہ نقشبندیہ شنیدہ نمی شود او چنیں می گوید کہ بنائے کار بر لقمہ حلال نہادہ اند ازاں جہت اکثر بزرگان سلسلہ خواجہا بکسب روزی حاصل می کردہ اند چنانکہ در ذکر ایشاں گذشت بنا براں حضرت خواجہ بہاء الدین نیز بحکم متابعت پیراں خود بکسب بند بافی وقالین بافی مشغول بودہ است آنحضرت را ازاں جہت نقشبند گویند ودوجہ اخیر بصحت قریب می نماید"

تہتر سال کی عمر میں دوشنبہ ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ میں رہگرائے عالم بقا ہوئے۔

رسالہ بہائیہ کا قلمی نسخہ کتب خانہ شاہ پیر محمد (احمد آباد) میں موجود ہے۔ ہم نے اس نسخہ کو (ورق ۴۸۰) دیکھا ہے ۔ دارا شکوہ نے اس کے حوالے سے جو نقل کیا ہے اسکو حرف بحرف صحیح پایا ہے۔
رسالہ بہائیہ کا دوسرا نسخہ سبحان اللہ کلیکشن علی گڑھ میں ہے ۔

بقاء بن سلامہ محدث حافظ حدیث بافندہ

حافظ عبدالغنی بن سعید مصری کتاب المؤتلف والمختلف میں فرماتے ہیں کہ ابن قتیبہ سے پوچھا گیا کہ آپنے بقاء سے کتنی حدیثیں حاصل کیں تو فرمایا میں نے ان کے پاس کچھ نہ چھوڑا۔
ابوبکر نقاش کے خط باریک کو دیکھکر فرمایا کہ تمھارا خط تو کتان کے تار کی طرح ہے ، آپ کو عبداللہ بن سلامہ بھی کہتے ہیں ، ابوبکر نقاش وابن قتیبہ نے آپ سے حدیثیں سنیں ، حافظ عبدالغنی فرماتے ہیں کان حائکا[2]۔ آپ کی وفات ـــــ میں ہوئی ۔

---

[1] خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ جو انسانی خوبیوں میں ممتاز تھے ، ان کے صاحبزادے خواجہ عبدالرزاق جن کا مثل سلسلہ نقشبندیہ میں ہندوستان میں سننے میں نہیں آتا ۔ ان کا قول ہے کہ کام کی بنیاد رزق حلال پر رکھی گئی ہے ، اسی وجہ سے سلسلہ خواجہ کے اکثر بزرگ کماکر روزی حاصل کیا کرتے تھے ، جیسا کہ ان لوگوں کے تذکرہ میں گزر چکا ہے اسی بنا پر حضرت خواجہ بہاء الدین بھی اپنے پیروں کے اتباع میں پارچہ بافی وقالین بافی کیا کرتے تھے ، ان صاحب کو اسی وجہ سے نقشبند کہتے ہیں آخری وجہ صحت سے قریب لگتی ہے ۔ (مسعود)

[2] بافندہ تھے ۔ (مسعود)

حضرت شیخ تقی مانک پوری حانک

آپ کا وطن کڑہ مانک پور ہے، اخبار الاخیار میں ہے در کڑہ مانک پور بود حق سبحانہ وتعالےٰ[1] تقویٰ و برکت وکرامت عطا نمود نام او ورسّعۂ ہوام بغایت موثر است خصوصًا در دفع زہر مار بچھّو در مار گیران مشہور است۔ (اخبار الاخیار صلا)

اخبار الاخیار کی طرح "خزینۃ الاصفیاء" میں بھی شیخ تقی کو مانکپوری لکھا ہے مگر شیخ عبدالرحمٰن نے شیخ کبیر کے حال میں لکھا ہے کہ اول ارادت بخدمت مخدوم شیخ تقی بن شیخ رمضان حانک پوری داشت کہ اودر قصبۂ جھونسی متصل شہر الہ آباد آسودہ است اھ،

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیخ تقی حانک وہ ہیں جن کا مزار جھونسی میں زیارت گاہ خلائق ہے، اور شیخ عبدالحق نے ان کو مانکپوری اس لیے لکھ دیا کہ جھونسی مانک پور کے قریب ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ مانک پور اور جھونسی دونوں میں اس نام کے بزرگ گذرے ہوں اور دونوں حانک ہوں۔

دوسری الجھن یہاں پر یہ ہے کہ "نزہۃ الخواطر" میں شیخ تقی جھونسوی کو حسینی لکھا ہے (دیکھو تذکرہ علی بن علی بن محمد تقی الدین جھونسوی ص۹۳) اور ان کے والد کا لقب شعبان الملۃ لکھا ہے ص۹۲ یہ دونوں باتیں عبدالرحمٰن چشتی کے بیان سے مختلف ہیں، مگر چشتی کا بیان قابل ترجیح ہے اس لیے کہ نزہۃ الخواطر کا ماخذ منبع الانساب ہے جو بالکل غیر مستند اور بے سروپا بیانات بلکہ جعلی حکایات کا مجموعہ ہے، تعجب ہے کہ مولٰنا عبدالحیٔ رائے بریلوی نے اس پر کس طرح اعتماد کیا۔

شیخ تقی کے سال وفات میں بھی بڑا اختلاف ہے، نزہۃ میں ۸۵۰ھ لکھا ہے، لیکن اگر یہ صحیح ہے کہ وہ کبیر داس کے پیر ہیں تو یہ سن وفات یقینًا غلط ہے، کبیر داس سکندر لودی کے عہد میں تھے اور ان کی وفات موہن لال زتشی کی تحقیق کے بموجب سنہ ۹۲۴ھ ہجری ہے اور سال پیدائش تقریبًا سنہ ۸۴۰ھ، اس صورت میں کبیر داس، شیخ تقی کے مرید کیسے ہو سکتے ہیں؟

---

[1] کڑہ مانک پور میں سکونت تھی، حق تعالےٰ نے پرہیزگاری اور برکت وکرامت عطا فرمائی تھی، کیڑوں کے ڈسنے میں بالخصوص زہر کے دفعیہ کے لئے ان کا نام نہایت مؤثر ہے، جیسا کہ سپیروں میں مشہور ہے۔ (مسعود)

شیخ تقی کا سال وفات خزینۃ الاصفیا میں ۹۸۲ھ لکھا ہے، اور میری بیاض میں ۸۹۲ھ لکھا ہوا ہے، اور میرے نزدیک یہی صحیح ہے اور خزینۃ الاصفیا میں عددوں کی ترتیب بدل گئی ہے، آٹھ کا عدد پہلے اور نو کا اس کے بعد لکھدیا گیا ہے۔

بحر زخار میں ہے کہ حضرت شاہ تقی سہروردی کو احوال مشائخ کی کتابوں میں حانک لکھتے ہیں مگر شاہ فقیر اللہ جو شیخ تقی کی نسل سے ہیں فرماتے ہیں کہ ہمارے دادا انصاری تھے، صاحب بحر زخار کا خیال ہے کہ شاہ فقیر اللہ چونکہ قاضی فخرالدین بجنوری کے خاندان سے دامادی کی نسبت رکھتے ہیں اس لئے اس سے ان کے دادا کی انصاریت کی تصدیق ہوتی ہے، اس کے بعد صاحب بحر زخار مولینا جامی کا یہ شعر نقل کرتے ہیں ؎

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی[1]   کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

پھر لکھتے ہیں کہ مرآۃ الاسرار میں شاہ تقی بن شاہ رمضان لکھا ہے مگر شاہ فقیر اللہ کہتے تھے، کہ شاہ تقی کے والد بزرگوار شاہ شعبان نے سہروردیہ میں خلافت پائی تھی اور وہ الہ آباس (الہ آباد) کے صاحب ولایت تھے بڑے باکمال و صاحب کرامات تھے، وفات کے بعد جھوتسی میں مدفون ہوئے، شیخ تقی جو اعاظم (اکابر) اولیا سے تھے ان کے جانشین و خلیفہ ہوئے، وہاں کا راجہ تو یک تامی کافر تھا، اس کو شیخ کا وہاں رہنا ناگوار تھا اس نے ان کی ایک دن دعوت کی اور کھانے میں سانپ کا گوشت پیش کیا، شیخ نے نور باطن سے اس کو معلوم کر لیا، اور سانپ کو مخاطب کر کے کہا (برخیز) اٹھ جا، سانپ زندہ ہو گیا اور غصہ میں بھرا ہوا وہاں سے چلا گیا، اس دن سے جہاں بھی شاہ تقی کا نام لیا جاتا ہے، وہاں سانپ کا دخل نہیں ہوتا۔

صاحب بحر زخار لکھتے ہیں کہ یہ مرد بزرگ، سلطان سید اشرف جہانگیر (کچھوچھہ) کے معاصر تھے اور شیخ کبیر حانک پہلے انھیں کے مرید ہوئے تھے، بعد میں شاہ بھیک فردوسی سے متعلق ہو گئے (بحر زخار قلمی) سید اشرف جہانگیر قدس سرہ کا سال وفات ۸۰۸ھ ہے، یہ بھی اس بات کا ایک قرینہ ہے کہ شاہ تقی کی وفات بھی نویں صدی میں ہوئی۔

---

[1] جامی تو دام عشق میں گرفتار ہوا اب نام و نسب کو خیر باد کہہ کر اس راہ میں حسب و نسب کوئی چیز نہیں ہے۔ (مسعود)

جرثومہ بن عبداللہ النساج

آپ تابعی ہیں حضرت انس کے دیدار سے مشرف ہوئے، ثابت سے تلمذ کیا، اور آپ کے پاس حماد بن زید علی بن عثمان نے زانوئے تلمذ تہ کیا، یحییٰ نے آپ کی توثیق کی ہے، یہ حضرت بھی کپڑا بننے والے اور محدث تھے۔

جمیل بن درّاج

آپ بھی دراج حائک کے فرزند ہیں، اور نوح بن دراج قاضی کے بھائی، خطیب نے فرمایا ہے کہ دراج کے چار بیٹے تھے، اور خدا کی قدرت کہ چاروں نے منصب قضا پایا، ان چاروں میں ایک جمیل بھی ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کہاں کے قاضی تھے، آپ محدث بھی تھے۔

حائک مصلح الدین

آپ کی اصلی جائے سکونت ولایت منتشا تھی، اوائل عمر میں حیاکت (بافندگی) میں مصروف رہے، چالیس برس کی عمر میں طلب علم کا شوق دامن گیر ہوا، اور اپنے عصر کے علماء کے پاس رہکر تحصیل کی، اور مدرسہ تیرہ میں درس دیا۔ اور عارف باللہ شیخ محمد جمالی اور امیر بخاری کی صحبت اختیار کی، بعد چندے مدرسہ کی ملازمت سے کنارہ کش ہوگئے اور روزانہ تیس درم (تقریباً ۸ عہ) بطور پنشن کے ملنے لگے، آپ نے اوقات کو عبادات و تذکیر و وعظ میں تقسیم کردیا اور مفت پڑھانے لگے فتویٰ نویسی کرتے اور اس کی اجرت لیتے تھے، عبادت میں بڑے سرگرم تھے، اکثر شب بیدار رہتے بہت تھوڑا سوتے تھے، اور اکثر نماز ہی میں وجد طاری ہوجاتا جس کا حاضرین مشاہدہ کرتے تھے ۹۳۴ھ میں شہر تیرہ میں وفات پائی رحمہ اللہ تعالیٰ (الشقائق النعمانیہ ج ۱ ص ۵۰۵)

شیخ جمال اُچیؔ

شیخ جمال ساکن اُچہ (سندھ) بڑے صاحب کمال ولی تھے، تحفۃ الکرام کا مصنف لکھتا ہے، "بحرفت جولاہی صاحب کارگاہ تحقیق بود" (ج ۳ ص ۱۱۲) سید اشرف جہانگیر سمنانی لکھتے ہیں

کہ جب حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی ولادت ہوئی تو ان کے والد بزرگوار ان کو شیخ جمال کی خدمت میں لے گئے اور ان کو (جو بعد میں مخدوم جہانیاں ہوئے) شیخ جمال کے پیروں میں ڈال دیا، شیخ جمال نے بشارت دی کہ یہ بچہ آفاق عالم میں ایسا ہوگا جیسی یہ رات سارے عالم میں بزرگ ہے، مخدوم کی ولادت شب برات کو ہوئی تھی (لطائف اشرفی ص ۲۹۲ ج ۱) یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ سید اشرف جہانگیر اور صاحب تحفۃ الکرام نے شیخ جمال کو شیخ کے لقب سے ذکر کیا ہے،

شیخ جمال اُچی کا ذکر فرشتہ نے اپنی تاریخ میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید تھے، لیکن تربیت ان کے صاحبزادہ شیخ صدر الدین سے پائی تھی، علوم ظاہری و باطنی سے بہرۂ وافی رکھتے تھے، اور خارق عادت اس جناب سے بہت سرزد ہوتے تھے، (فرشتہ اردو ص ۶۲۳ جلد ۲) اور ص ۶۲۵ میں لکھا ہے کہ مخدوم جہانیاںؒ کو ان کے والد سات برس کی عمر میں شیخ جمال تجندی (اُچی) کی خدمت میں لے گئے اور دست بوسی سے مشرف کیا، شیخ جمال نے خرما دیا، مخدوم جہانیاں اس کو مع گٹھلی کے کھا گئے اور پوچھنے پر فرمایا کہ آپ کے ہاتھ سے جو خرما ملا ہے اس کی گٹھلی دور کرنا بے ادبی ہے، شیخ نے فرمایا تو وہ چراغ ہے کہ اپنے خاندان کو قیامت تک روشن رکھے گا، اھ۔

اس واقعہ کو اختصار کے ساتھ نواب صدیق حسن صاحب نے بھی "التقریع الثانی" میں لکھا ہے، مولانا عبد الحئی مرحوم ناظم ندوہ نے نزھۃ الخواطر جلد دوم میں شیخ جمال کو الشیخ العالم الکبیر[1] احد المشائخ المشهورین کے عنوان سے ذکر کیا ہے، اور جامع العلوم کے حوالے سے حضرت مخدوم جہانیاں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ شیخ جمال درس و افادہ میں برابر مشغول رہے اور تمام علوم کا درس دیتے تھے، ھدایہ، بزدوی، مشارق، مصابیح، اور عوارف وغیرہ پڑھاتے تھے استاد درس میں کہیں شبہہ پیدا ہوتا تو ذرا سر جھکاتے اور پھر سر اٹھا کر حل کر دیتے، صدر مجلس میں بیٹھنے کی طمع نہیں رکھتے تھے، صف نعال میں بھی جگہ مل جاتی تو وہیں بیٹھ جاتے بلکہ جہاں بھی بیٹھتے صدر

ع۱ بڑے بزرگ عالم مشہور مشائخ میں سے ایک۔ (مسعود)

معلوم ہوتے تھے، موٹے کپڑے پہنتے اور فرماتے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی پہنتے تھے، بادشاہوں کا ہدیہ قبول نہ فرماتے، بعد آخر عمر میں قبول کرنے لگے تھے اور کہتے تھے کہ پہلے بزرگوں نے لیا ہے، حضرت مخدوم جہانیاں یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے شیخ یافعی کو مکہ میں اور شیخ عبد اللہ مطری کو مدینہ میں یہ فرماتے سنا ہے کہ شیخ جمال اس زمانہ کے یکتا ہیں، مقامات کی بلندی میں ان کی کوئی نظیر نہیں ہے (نزہتہ الخواطر ص۲۵ج۲)

فرشتہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں نے ایک دیوانہ کی صحت کے لئے کہا کہ اس کو نہلا کر حضرت شیخ جمال کی قبر کی زیارت کراؤ اس کے بعد میرے پاس لاؤ۔ (ص۶۲۷ج۲)

شیخ کی وفات غالباً ۷۶۰ھ میں ہوئی، حضرت مخدوم جہانیاں ۷۶۲ھ میں یافعی سے ملاقات کر کے ہندوستان آئے ہیں — اور جس کسی نے غلطی سے شیخ جمال کی وفات ۷۶۷ھ لکھی ہے، میرا خیال ہے ۷۶۰ھ کے بجائے ۷۶۷ھ لکھ گیا ہے۔

جمال الدین جُنید دمشقی

ان کا سلسلۂ نسب حضرت معاویہ سے ملتا ہے، ان کا خاندان دولت مند تاجر تھا، جنید اپنے خاندان میں بہت سی خوبیوں کے جامع تھے، اخبار و اشعار و احادیث کے بڑے راوی تھے، اجلۂ علماء کے ساتھ ان کی نشست و برخاست تھی، ابتدائے عمر سے اوراد و اشغال کے پابند اور بڑے عبادت گذار تھے، اسی وجہ سے ان کا لقب جنید پڑ گیا تھا، وزراء و امراء سے بھی ان کی صحبت تھی، محبی نے خلاصۃ الاثر میں اپنے والد کے حوالہ سے لکھا ہے یتعاطی صنعۃ القماش یعنی کپڑا بنانے کا کام کرتے تھے (ص۴۹۱ج۱)

دُرویش شاعر
جلیل القدر نواب فصاحت جنگ جلیلؒ رحمہ اللہ

مولانا سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ نے معارف مارچ ۱۹۴۶ء میں اسی عنوان سے آپ کا ذکر کیا ہے سید صاحب فرماتے ہیں۔ . . . حضرت جلیل کا پورا نام جلیل حسن تھا، مانکپور ضلع الہ آباد کے رہنے

والے تھے، حفظ قرآن سے مشرف، فارسی کی اعلیٰ استعداد اور عربی کی تھوڑی واقفیت تھی لیکن شعر و سخن کے اصول و فروع اور لغت اردو کی تحقیق میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور یہ فیض ان کو اپنے استاذ حضرت امیر مینائی سے پہنچا تھا، جوانی تھی کہ استاذ کے قدموں سے آکر لگے، استاذ نے بھی جوہر قابل پاکر پوری تربیت کی، "امیر اللغات" کی ترتیب کا کام انجام پا رہا تھا جو ۱۸۸۴ء سے شروع تھا، استاذ نے اس کام کا سر رشتہ شاگرد کے سپرد کیا، پہلی جلد الف ممدودہ کی شائع ہوئی اور دوسری جلدوں کے مسودے تیار ہونے لگے تھے کہ رام پور ریاستی انقلاب کا دور آیا اتفاق وقت کہ اسی زمانہ میں نواب میر محبوب علی خاں نظام سابق کشور دکن ہندوستان آئے، داغ ہمرکاب تھے انھیں کے سلسلے سے امیر مرحوم نے نظام کی خدمت میں باریابی پائی، اور نظام نے ان کو دکن آنے کا ایما فرمایا چنانچہ کچھ دنوں کے بعد اس بڑھاپے (۱۹۰۰ء) میں امیر دکن پہونچے اور ایک مہینہ کچھ دن ہوئے تھے کہ وہیں وفات پائی، شاہ خاموش کے احاطہ مزار میں شعر و سخن کے اس مرقد پر دو دفعہ حاضری میسر آئی، دعائے مغفرت کے پھول نچھاور کئے۔

اس سفر میں شاگردوں میں حضرت جلیل اور صاحبزادوں میں حضرت اختر مینائی ساتھ تھے، مہاراجہ کشن پرشاد نے امیر کے ان دونوں عزیزوں کی بڑی قدر کی اور ان کو فوراً اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا، اس وقت سے ان دونوں صاحبوں نے حیدرآباد کو اپنا وطن بنالیا، تقریباً پانچ چھ برس تک صرف مہاراجہ کی سرپرستی میں زندگی بسر کرتے رہے، اسی زمانہ میں ایک گلدستہ اور ایک نثر کا ماہوار رسالہ دبدبۂ آصفی کے نام سے ان کے اہتمام میں نکلنے لگا، حضرت جلیل نے اسی زمانہ میں تذکیر و تانیث پر ایک محققانہ کتاب لکھی جس میں سات ہزار الفاظ کی تذکیر و تانیث کا فیصلہ درج کیا، پھر اردو کے فن عروض پر ایک رسالہ جس میں اردو کے مستعمل بحور و اوزان کی تشریح کی۔

۱۹۰۵ء میں استاذ داغ نے جو نواب میر محبوب علی خاں کے آصف سادس کے استاذ تھے، وفات پائی تو اعلیٰ حضرت کی نگاہِ انتخاب حضرت جلیل پر پڑی اور ان سے مشورۂ کلام فرمانے لگے۔ ۱۹۱۱ء میں جب میر عثمان علی خاں بہادر تخت نشین ہوئے تو وہ مزید قدر دانیوں سے سرفراز ہوئے، اور اب وہ وقت آیا جو اس ماہر و کامل الفن کی قدر شناسی کے لئے مقدر تھا، چنانچہ اس وقت سے مرحوم نے اپنی رحلت تک پورے چھتیس برس اس شاہ عالی جاہ کے ظل عاطفت میں بکمال اطمینان

و فارغ البالی بسر کیئے اور بہت سے القاب و انعامات سے سرفراز ہوتے رہے ۔

خاکسار (سید سلیمان) کو سب سے پہلی دفعہ ۱۹۱۱ء میں حیدر آباد جانے کا اتفاق ہوا۔ وہ عقیدت جو حضرت جلیل سے مجھے تھی، کشاں کشاں ان کے آستانہ تک لے گئی، بڑی محبت اور شفقت سے ملے اس کے بعد جب کبھی حیدر آباد جانا ہوا ان کے ہاں ضرور حاضری دی۔

مرحوم نہایت دیندار، تہجد گذار، تسبیح خواں، ذکر الٰہی میں تر زباں، متین، سنجیدہ کم سخن، متواضع خاکسار اور بڑے پابند وضع تھے، پنجوقتہ نماز باجماعت کا اہتمام تھا، عشق رسول میں سرمست تھے، مرحوم کے یہ اوصاف جوانی ہی سے تھے، حضرت امیر ایک خط میں لکھتے ہیں ۔

" مجھے بھی جلیل سے سخت انفعال ہے، اور ان کی کامیابی کا نہایت خیال ہے، آدمی یہ ایسے اچھے ہیں کہ جہاں ہوں وہاں اسلامی برکات پھیلیں، میں ان کی علیحدگی کو اپنی بدقسمتی جانتا ہوں مگر مجبوری گوارا کرتا ہوں"

حضرت جلیل نے فرزندان ظاہری کے علاوہ حسب ذیل فرزندان معنوی (تصانیف) اپنی یادگار چھوڑے، تاج سخن، جان سخن، معراج سخن، سرتاج سخن، گل صد برگ، عطر سخن، روح سخن نظم میں۔ اور سوانح امیر مینائی، تعلیم الصلوٰۃ، معیار اردو، تذکیر و تانیث، اردو کا عروض نثر میں ۔

حضرت جلیل کو دنیا نے جانشین امیر کہکر پکارا، یہ جانشینی حقیقت میں پوری پوری تھی ظاہری و باطنی دونوں اوصاف کے لحاظ سے وہ جانشین تھے، جو زہد و تقویٰ، پابندی دینی اور ذکر و فکر و مراقبہ اور خدا رسی استاد میں تھی وہی شاگرد کو ملی تھی، اسی طرح شاعری کے جو اوصاف و خصوصیات امیر میں تھے وہی جلیل میں تھے، استاد کا اتنا صحیح متبع امیر کے تلامذہ میں کم کسی کو نصیب ہوا۔

جلیل کی شاعری کے خاص خصوصیات، کلام کی فصاحت، زبان کی صحت، محاورات کی پیروی، بندش کی چستی، فن کے اصول و فروع کی پوری پابندی اور جملہ کلام کا حشو و زوائد سے یکسر پاک ہونا ہے جس کا اندازہ ان کے ہر شعر سے ہوتا ہے۔

آج شاعر بہت ہیں مگر استاد بہت کم ہیں، جو فن کے مسائل پر کامل عبور رکھتے ہوں، جو تمام اصناف سخن پر برابر کی قدرت رکھتے ہوں، جو لفظوں کے ہاتھوں میں نہ ہوں بلکہ لفظ ان کے ہاتھ میں ہوں، جن کے کلام سے زبان کے، الفاظ، محاورات اور امثال کی تصدیق ہو، جن کا دیوان زبان کے سکوں کی ٹکسال

ہوا حضرت جلیل اس دور کے جو میر و میرزا سے شروع ہوا بظاہر خاتم معلوم ہوتے ہیں۔
یکم صفر ۱۳۶۵ھ کو حضرت جلیل نے پچاسی برس کی عمر میں حیدرآباد دکن میں داعی اجل کو لبیک کہا (معارف مارچ ۱۹۴۶ء صفحہ ۲۲۹ تا ۲۳۶) جلیل کی علمی و عملی عظمت کا یہ اعتراف اس دور کے سب سے بڑے مورخ، وادیب اور درویش عالم جو خوش قسمتی سے سید عالی نسب بھی تھے ان کے قلم سے ہے، اس سے آگے کچھ لکھنا بے سود ہے ہاں ایک بات کا ذکر نہایت ضروری ہے جو شاید سید صاحب کو معلوم نہ تھی، وہ یہ کہ حضرت جلیل خانوادہ مجددیہ میں حضرت شرف رامپوری سے بیعت تھے۔
حضرت جلیل اسی قوم کے ایک فرد تھے جس کا پیشہ بنائی ہے، مولانا محمد حنیف مرحوم صدر مدرس مدرسہ انوار العلوم مئو ایمہ ضلع الہ آباد ان کے سمدھی تھے۔

جمال شاہ مئوی

مئو ضلع اعظم گڈھ کے باشندہ تھے ہمارے ہی محلہ میں ان کا گھر تھا، ابتدا میں بالکل مندمشرب تھے، پھر معلوم نہیں کیا افتاد پڑی کہ دفعۃً لاپتہ ہوگئے، چند دنوں کے بعد مئو آئے تو بالکل رنگ بدلا ہوا تھا نہ کسی سے بولتے تھے نہ کچھ بتاتے تھے، چند دنوں کے بعد پھر غائب ہوگئے۔
الحاصل دوسری یا تیسری دفعہ غازی پور یا بنارس میں سدا سہاگ فرقہ کے ایک بزرگ روشن علی شاہ سے مرید ہوئے، اور روشن علی شاہ ان کو مئو لائے اور ٹونس ندی کے کنارے محلہ پٹھان ٹولہ کے قریب ایک جگہ منتخب کی پھر ان کو اپنے ساتھ بھیتیا ضلع غازی پور لے گئے اور جو جگہ منتخب کی تھی وہ زمینداروں سے جمال شاہ کو معافی میں دلوادی، ان لوگوں نے اٹھارہ منڈا زمین دیدی، اس کے بعد دوبارہ مئو آکر ان سے کہا کہ اس زمین میں امرود کا باغ لگاؤ، اور تادم مرگ یہیں رہو، کسی کے دروازہ پر نہ جانا اور نہ باغ کا پھل بیچنا، انھوں نے عمر بھر پیر کی نصیحت پر عمل کیا۔ اور کسی کے دروازہ پر نہیں گئے نہ پھل بیچا۔
ان کی ایک زندہ کرامت خود میں نے اور ہزاروں آدمیوں نے مشاہدہ کی ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی میں دھوبی کے پاٹ کے برابر مگر اس سے کچھ چوڑی دو لکڑیاں ندی کے کنارہ رکھدی تھیں وہ آج تک موجود ہیں، حالانکہ اس ندی میں متعدد بار نہایت ہولناک سیلاب بھی آئے یہاں تک کہ آخری سیلاب میں (۱۳۷۶ھ ۱۹۵۶ء) مئو کا نہایت پائدار اور مضبوط پل بھی ٹوٹ گیا اور ٹوٹ کر ایک تہائی

نذرِ آب ہو گیا مگر یہ لکڑیاں کبھی نہ بہیں، بارش اور سیلاب کے موسم میں وہ لکڑیاں اسی طرح اپنی جگہ پر پڑی ہوئی چھوڑ دی جاتی تھیں جب پانی گھٹتا تھا تو اپنی جگہ پر یا دس بیس قدم آگے مل جاتی تھیں
ان کی صحبت میں کئی ہندو مسلمان ہو کر خدا رسیدہ ہوئے، ان میں ایک مدّو ملّاح کے جاننے والے آج بھی موجود ہیں، مدّو ملّاح کی یہ کیفیت تھی کہ وہ کئی کئی دن تک مسجد سے نکلتے نہیں تھے اور کئی دن فاقہ سے رہنے کے باوجود کسی سے کچھ مانگتے نہیں تھے، ہاں اگر کسی نے پوچھ لیا کہ کچھ کھائیے گا تو آہستہ سے کہتے تھے کیا حرج ہے،

ان کی نسبت مشہور ہے کہ ایک بار وہ اٹھے اور پیادہ پا بمبئی گئے، پھر وہاں سے کسی طرح حج کے لئے چلے گئے اور پھر لوٹ کر نہیں آئے، حافظ سراج الدین شاہ ساکن اوری جمال شاہ کے خلیفہ تھے، ان کے خاندان میں جمال شاہ کا شجرہ بیعت موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سلسلہ شاہ موسیٰ سہاگ احمد آبادی المتوفی ۸۱۶ھ سے ملتا ہے (شاہ موسیٰ سہاگ کا حال برکات الاولیاء صـ ۲۶۴ میں دیکھیے) جمال شاہ کے بھتیجے ان کو چمن شاہ کا لقب عطا کیا تھا، ان کا مزار لونس ندی کے کنارہ ان کے باغیچہ میں ہے، تیرھویں صدی کے اخیر میں ان کی وفات ہوئی، اس زمانہ کی اردو میں ان کی کچھ نظمیں لوگوں کو یاد ہیں ان میں انھوں نے اپنا حال وغیرہ ذکر کیا ہے، ایک بارہ ماسہ بھی ان کا مشہور ہے۔

حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کو خزاز[عـ۱] بھی کہتے ہیں، امام یافعی نے مرآۃ الجنان میں لکھا ہے "انما قیل لہ الخزاز لانہ کان یعمل الخز" (عمل الخز کے معنی خز بافی) آپ سید الطائفہ کے لقب سے ملقب ہیں، جامی فرماتے ہیں وے از ائمہ و سادات ایں قوم است وھمہ نسبت بوے درست کنند چوں خزاز و رویم و نوری و شبلی وغیرہم ابو العباس عطاء گوید اماما فی ھذا العلم ومرجعنا المقتدیٰ بہ الجنید، شیخ ابو جعفر حداد فرماتے ہیں، اگر عقل مردے بودے بر صورت جنید بودے، اور علمائے تصوف کا قول ہے از ایں طائفہ سہ تن بودند کہ ایشاں را چہارم نبود، جنید بہ بغداد و ابو عبد اللہ جلا بہ شام و ابو عثمان حیری بہ نیشاپور، ۲۹۷ھ میں وفات پائی۔

عـ۱ آپ کو خزاز اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ آپ خز بافی کیا کرتے تھے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ابن الحائک ہمدانی

نام و نسب حسن بن احمد بن یعقوب بن یوسف بن داؤد ہمدانی ہے، متعدد علوم و فنون میں یگانۂ روزگار تھے، خزرجی نے ان کے حق میں فرمایا ہے۔

ھو الاوحد فی عصرہٖ، الفاضل علی من سبقہ المبرز علی من لحقہ، لم یولد فی الیمن مثلہ علماً و فہماً ولساناً و شعراً و روایۃً و فکراً و احاطۃً بعلوم العرب من النحو واللغۃ والغریب والشعر والایام والانساب والسیر والمناقب والمثالب مع علوم العجم من النجوم والمساحۃ والھندسۃ والفلک۔ (تتمہ ص۲۱۷)

وہ یکتائے زمانہ، اگلوں سے بڑھے ہوئے اور پچھلوں پر فوقیت رکھنے والے تھے، علم و فہم زبان دانی و شاعری، نقل و روایت اور غور و فکر نیز علوم عرب جیسے نحو، لغت غریب، شعر، ایام عرب، انساب سیر اور مناقب و مثالب کے احاطہ و جامعیت میں کوئی ان کا مثل یمن میں پیدا نہیں ہوا علوم عرب کے سوا وہ علوم عجم پر بھی حاوی تھے جیسے نجوم، مساحت، ہندسہ، اور ہیئت۔

پادری انستاس ماری کرملی لکھتا ہے:۔

"اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے، اور لغت، ہیئت، ریاضیات، شعر گوئی، معرفت انساب، حدیث، تفسیر، فقہ، اور فرائض وغیرہ میں مہارت رکھتے تھے" (حاشیہ اکلیل ص۲۹۵)

اس کے بعد لکھتا ہے کہ

"ہمدانی کو غیر معمولی شہرت، اور ہر علم و فن میں ید طولیٰ حاصل تھا" (ص۲۹۵)

علامہ شکیب ارسلان فرماتے ہیں کہ:۔

حاشیہ بقیہ پچھلے صفحہ کا

ــہ یعنی وہ اس قوم (صوفیہ) کے امام تھے، سب صوفی ان سے اپنی نسبت درست کرتے ہیں، مثلاً خراز، ندیم، نوری اور شبلی وغیرہم - ابوالعباس عطار کہتے ہیں، اس علم میں ہمارے امام اور مرجع و مقتدا جنید ہیں - ــہ اگر عقل کوئی مجسم چیز اور آدمی کی شکل کی ہوتی تو وہ حضرت جنید کی شکل و صورت کی ہوتی۔ ــہ اس گروہ میں تین آدمی ایسے ہوئے ہیں کہ دنیا کوئی چوتھا پیدا نہیں ہوا، بغداد میں جنید، شام میں ابوعبداللہ جبلا، اور نیشاپور میں ابوعثمان خیری ۱۲ منہ

"جزیرۃ العرب کے جغرافیہ نویسوں میں ہمدانی سے بڑھکر کوئی نہیں ہوا" (خاتمہ اکلیل)

صنعاء (یمن) میں پیدا ہوئے، وہیں نشو ونما پائی، پھر وہاں سے منتقل ہو گئے اور مکہ معظمہ کی اقامت اختیار کی، اس کے بعد پھر یمن کا رخ کیا، اور صعدہ میں اتر پڑے، کسی وجہ سے وہاں کے شعراء سے چشمک پیدا ہوئی اور ہجو بازی کی نوبت آئی، وہاں کے شعراء نے ایک سخت الزام لگا کر ان کو قید کرادیا ــ ۳۳۴ھ میں وفات پائی۔

تصنیفات :- ہمدانی کی سب سے زیادہ مشہور و مفید تصنیف، اکلیل، اور صفۃ جزیرۃ العرب ہے، اول الذکر دس جلدوں میں تھی، لیکن اس کا مکمل نسخہ کہیں دستیاب نہیں ہوتا صرف آٹھویں جلد (جو ۲۹۶ صفحات پر مشتمل ہے) پادری انستاس ماری کرملی نے تصحیح و تحشیہ کرکے بغداد سے شائع کی ہے، اور مؤخر الذکر دو جلدوں میں ہے، صرف دوسری جلد لیڈن سے شائع ہو چکی ہے۔

ان دونوں کتابوں کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگانا ہو تو اکلیل کا خاتمہ پڑھیے، اس سے آپ کو معلوم ہو گا کہ علامہ شکیب ارسلان۔ اور پادری انستاس ماری وغیرہ نے ان کتابوں کی جستجو میں کہاں کہاں کی خاک چھانی ہے، اور کس کس کو خطوط لکھے ہیں۔

ان کے علاوہ ان کی تصنیفات میں جن کتابوں کا نام لیا جاتا ہے وہ یہ ہیں:-

سر الحکمہ (ہیئت میں) کتاب الیعسوب (تیر اندازی وغیرہ کے بیان میں) زیج ہمدانی (جس پر اہل یمن کا اعتماد ہے) کتاب الحیوان، کتاب القوی الممالك والمسالك فی عجائب الیمن وجزیرۃ العرب، دیوان شعر ۶ جلد۔

مورخین کے نزدیک ابن الحائک کے نام سے ان کی شہرت ہے، سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ میں، یاقوت حموی نے معجم الادبا ج۳ میں، اور قفطی نے اخبار الحکمۃ ص۱۱۱ میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ اکلیل، اور صفۃ جزیرۃ العرب کے حوالے اجلہ مصنفین کی کتابوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

شیخ حاجی

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کے معاصر ایک بزرگ شیخ محمد حلاج تھے، شیخ حاجی انہیں

کے خلیفہ تھے، ان کا قیام شہر مرو میں تھا، حضرت خواجہ عبید اللہ احرار نے ان کا یہ حال بیان فرمایا ہے۔

"گاہے ببازار برائے ریسماں و مصالح کار خود رفتے غیر ازاں کارے کہ برائے آں میرفت نمی دانست، بہ نسبت خود آگاہ بود و از غیر ازاں ذاہل، ہرگز بہ یمین و یسار ملتفت نمی شد، ہمیشہ نظر بر قدم داشت" (ترجمہ) کبھی سوت یا اپنے کام کی دوسری ضروریات خریدنے کے لئے بازار جاتے تو اس کے سوا کچھ نہیں جانتے تھے، اپنی نسبت سے باخبر اور اس کے ماسوا سے بے خبر رہتے، دائیں بائیں بھی نہ دیکھتے تھے، ہمیشہ قدم پر نظر ہوتی تھی، (رشحات صـ۳۳)

ان کے بافندہ ہونیکی تصریح خواجہ احرار نے فرمائی ہے (رشحات صـ۳۳)

حسین بن ابوبکر نساج

سلسلۂ نسب یوں ہے، حسین بن ابی بکر بن حسین بن ثابت بن منصور بن علوی بابلی ثم حلبی ثم صالحی، ـــــ ۶۵۲ھ میں پیدا ہوئے، اشرف بن نابلسی سے ۶۶۶ھ میں حدیث کی سماعت کی، اور حدیث کا درس دیا۔ برزالی محدث مشہور کے استاد ہیں، انھوں نے اپنے معجم میں ان کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ رجب ۷۲۵ھ میں ان کی وفات ہوئی (درر کامنہ صـ۳۲ ج۲ مطبوعہ حیدرآباد نیز کتاب مذکور قلمی نسخہ بانکی پور صـ۲۷۷ ج۱)

حضرت شاہ حیدر سنبھلی

حضرت شاہ شاہی سنبھلی کے صاحبزادہ اور خلیفۂ برحق تھے اپنے پدر بزرگوار کے طریقہ پر عبادت میں مستقیم تھے، گھر سے باہر کہیں نہ جاتے تھے اور مشغول باخدا رہتے، اکثر بیمار جن کے علاج سے حکیم لوگ عاجز ہو جاتے ان کی دعا اور توجہ سے شفا پاتے تھے، باوجودیکہ امی تھے مگر ان کی عظمت کا اتنا رعب تھا کہ کوئی براہِ راست ان کی خدمت میں حاضر ہو کر حاجت بیان نہیں کرتا تھا بلکہ ایک خادم کے ذریعہ حال کہلواتا تھا اور وہ ایک کاغذ پر ایک لمبی لکیر

کھینچ کر دیدیتے تھے اسی سے حاجت برآتی تھی۔ صاحب بحر زخار لکھتا ہے کہ ان کی اتنی کرامتیں مذکور و مسطور ہیں کہ اس مختصر میں ان کے بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ (بحر زخار ص۱۱۲۸)

شیخ حسین بن احمد بن حسین شیرازی

مشہور زاہد و عابد گذرے ہیں، صاحب حال و وجد تھے، ان پر حال طاری ہوتا تو سب کچ رہتے تھے، اور اگر منہ سے کوئی چیخ نکل جاتی تھی تو سننے والے کے دل کیف و ذوق سے بھر اتے تھے، شیخ ابو عبداللہ خفیف سوائے ان کے کسی کے حال سے خوش نہیں ہوتے تھے، ہر روز ایک ہزار رکعت ان کا معمول تھا، ان کے والد کے ذکر میں پہلے آچکا ہے کہ وہ بنائی کر کے قوت حاصل کرتے تھے، شیراز میں اپنے والد کے ساتھ مدفون ہیں (شد الازار مطبوعہ ایران) سیرت ابو عبداللہ الخفیف ص۲۰ میں ایک نام ابوسعید نساج آیا ہے شاید وہی بزرگ حسین بن احمد ہیں۔

لال حسین لاہوری

شیخ حسین لاہوری شیخ بہلول دریائی کے خلیفہ تھے، ان کا دادا کلجس رائے ہندو تھا، فیروز شاہ تغلق کے وقت دین اسلام قبول کیا، اس کا بیٹا عثمان دیندار آدمی تھا اور جولاہوں کے کام سے قوت حلال پیدا کر کے گذارہ کرتا۔ ان کے گھر شیخ پیدا ہوئے، چونکہ پوشاک سرخ رکھتے تھے اس لئے لال حسین مشہور ہوئے۔

ان کی کرامتیں حقیقۃ الفقرا اور خزینۃ الاصفیار میں مذکور ہیں۔ لکھا ہے کہ ان کے کامل و مکمل خادم نو ہزار تھے، اور مریدوں کی تعداد ایک لاکھ پچیس ہزار تھی ۱۰۰۸ھ میں بعمر اکر ان کی وفات ہوئی (حدیقۃ الاولیار ص۱۰۴)

حبیب سفید باف

ان کو شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے "برادرم" کے لفظ سے یاد کیا ہے، (مکتوبات قدوسی) اہل نظر کے نزدیک قطب الاقطاب کے قلم سے یہ لفظ ان کے لئے بہت بڑا سرمایۂ افتخار ہے،

حضرت شیخ کے مخلص مرید اور بڑے عبادت گذار تھے، حاشیہ مکتوبات قدوسی میں ہے:۔
"مرید مخلص و متعبد بود" اسی میں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ راجے کے نام سے مشہور تھے، شیخ عبدالکریم سہارنپوری ایک نہایت نامور کامل و عالم گذرے ہیں، شیخ عبدالقدوس کے دوستوں میں تھے، حبیب ان کے پاس بھی جایا کرتے تھے۔

ناچیز کہتا ہے کہ میرے نزدیک یہ حبیب سہارنپور کے باشندہ اور بھولا سپید باف (جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) کے بھائی ہیں بھولا کے حال میں معلوم ہو چکا ہے کہ ان کے ایک بھائی راجے نام کے تھے۔

شیخ حیدر بن فرابیک موصلی شافعی

عالم فاضل اور عابد زاہد تھے، علوم میں ید طولی حاصل تھا، ۱۱۲۸ھ میں پیدا ہوئے بصرہ میں سید یوسف کے خاندان سے طریقہ رفاعیہ حاصل کیا، اور معراج کمال کو پہونچے دنیا سے یکسر کنارہ کش تھے، کسی کے پاس آتے جاتے نہ تھے، نہ کسی کا زیر بار احسان ہونا پسند کرتے تھے دوسرے لوگ البتہ ان کے ممنون کرم تھے، ایک دفعہ حلب کا سفر پیادہ پا کیا، کسی تاجر نے سواری پیش کی تو قبول نہ کیا، موصل میں ان کی کھلی کرامات کا مشاہدہ کیا گیا، لوگ ان کی ولایت کے قائل تھے، بہت معروف و مشہور بزرگ تھے۔

۱۱۹۵ھ میں راہی دارالبقا ہوئے، کپڑے بنتے تھے، اور یہی ذریعہ اوقات بسری تھا۔ (سلک الدرر صفحہ جلد ۲)

حاجی حکیم مولوی حسن علی صاحب سہسرامی

مسالک السالکین صفحہ ۴۹۶ پر ہے

جناب حاجی حکیم مولوی حسن علی صاحب میرے شہر (سہسرام) کے باشندے تھے، یہ صاحب بڑے عالم فاضل اور صفات ظاہری و باطنی سے آراستہ و پیراستہ تھے تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۲۹۰ھ کو آپ (شاہ شیر محمد یلی بھیتی) کے مرید ہوئے، حضرت شاہ صاحب ان کو بہت چاہتے تھے اور دل سے ان کی قدر

کرتے تھے، کہتے ہیں کہ آپ نے دربارۂ خلافت ان سے استمزاجاً دریافت کیا، انھوں نے عاجزی کے ساتھ عذر کیا کہ مجھ میں اس منصب جلیلہ کی لیاقت اور اس کام کو انجام دینے کی قدرت نہیں ہے اس لئے حضرت نے ان کو معذور رکھا، یہ بزرگ ۱۳۲۳ھ میں راہی ملک بقا ہوئے، ان کے صاحبزادے حضرت مولانا حاجی محمد قادر بخش صاحب بڑے عالم فاضل فقیہ و محدث کامل اور اپنے وقت کے واعظ عدیم المثل ہیں انھوں نے ایک بار حضرت قبلہ و کعبہ (شاہ شیر محمد صاحب) کے حضور میں بھی وعظ فرمایا جس کو سنکر حضرت بہت خوش ہوئے اور ایک جلد مثنوی معنوی مولانا روم کی عطا فرمائی جو ہنوز مولانا ممدوح کے پاس موجود ہے۔

شیخ خدا بخش منڈوی

آپکے آباء واجداد ہجری آٹھویں صدی میں عربستان سے ہند میں آئے تھے، آپ کے پیر بیعت شیخ فضل اللہ بن شیخ حسین ملتانی چشتی (المتوفی ۹۷۰ھ) ہیں، ابتدا میں آپ کا پیشہ نمدبافی تھا حریرفروشی کی بھی دوکان کر رکھی تھی، اور الکاسب حبیب اللہ کے لباس میں یکتا درویش تھے، سرمایہ میں سے روزانہ محنت کا فائدہ حاصل کرکے ایک حصہ مستحق فقراء کی نذر کر دیتے تھے، ایک حصہ عیال واطفال کی معاش کے نامزد کرتے تھے، اور ایک حصہ اپنی قوت اور مہمانوں کی ضیافت کے نام سے اٹھا رکھتے تھے، پندرہ سال کی عمر سے چالیس سال تک اس انتظام سے بسر کیا، اس کے بعد تجرد گزینی کا نشہ اور خدا طلبی کا جوش پیدا ہوا، اور جو کچھ گذر اوقات کیواسطے بساط میں تھا سب بے اختیار ہو کر عام محتاجوں کو لٹا دیا اور خود درویشی کا جامہ پہنکر معرفت الٰہی کی تحصیل کے لیے ہر ایک دل اور ہر ایک دروازہ سے گدائی کرنے لگے، آخرکار ۹۸۱ھ میں پیر کی بابرکت صحبت سے اضطراب میں کمی اور شورش دل کو تسکین حاصل ہوئی، تو ساگرتالاب کے کنارے ایک پشتہ پر ایک کہنہ مسجد تھی اس کی مرمت کرا کے تیر کی طرح ایک چھوٹا حجرہ اس کی چھت کے نیچے بنایا جو آبادی سے ایک کوس دور ہے، اس تاریخ سے ۱۰۰۲ھ تک اس حجرہ میں استقامت کے ساتھ تنہا بیٹھے رہے، فقر و بے نوائی کے جس درجہ کے متلاشی تھے وہ حسب استعداد آپ کو حاصل ہوا، آپ کا آستانہ اگرچہ اکابر و اصاغر کا مرجع بن گیا تھا، مگر آپ تک باریابی عالیشان سلاطین

اور امرائے اعظم کے بھی اختیار اور قبضۂ قدرت میں نہ تھی، بلکہ آپ کی عنایت اور آپ کی ارادت کے متعلق تھی، صرف بمقدار ایک فاتحہ پڑھنے کے با اخلاص آنے والوں کے نزدیک بیٹھ جاتے تھے، بلکہ اکثر اوقات کھڑے ہی رہتے اور جو کچھ خشک و تر اس وقت ہاتھ میں موجود ہوتا پیش کر کے رخصت ہو جاتے۔ سوائے گوشہ نشینی کے مرید کرنا، خانقاہ بنانا، خادم رکھنا، ہنگامہ و عرس کو رونق دینا، اور سرود و سماع کی مجلس گرم کرنا وغیرہ وغیرہ جو سلسلہ دوست مشائخ کا طور طریقہ ہے، آپ کی آزاد اور تنہائی پسند طبیعت اس کی مقید نہیں تھی۔ مصنف گلزار ابرار کے لڑکے عبدالاول، شیخ خدا بخش کے داماد تھے، (گلزار ابرار ص۵۴۵)

حضرت خورم شاہ بدایونی

بدایوں میں بافندہ قوم کے ایک بزرگ مجذوب تھے صاحب بحر زخار لکھتے ہیں کہ ان کے اتنے تصرفات منقول ہیں کہ قلم اس کے احاطہ سے قاصر ہے، بہت زیادہ مغلوب الاحوال تھے اور ان سے بہت زیادہ کرامتیں ظاہر ہوئیں، نواب شجاع الدولہ کے زمانہ میں تھے (بحر زخار ص۲۸۲)

شاہ خیر اللہ لکھنوی

حضرت شاہ برخوردار لکھنوی کے داماد اور شاہ معصوم کے مرید تھے، شاہ برخوردار کی وفات کے بعد ۱۱۵۰ھ میں ان کے جانشین ہوئے، شاہ برخوردار بافندہ تھے (بحر زخار ص۱۷۱) شاہ معصوم کا ذکر آگے آتا ہے۔

حضرت شیخ خیر نسّاج

آپ کا نام محمد بن اسمٰعیل یا خیر بن عبداللہ تھا بغداد میں سکونت تھی، یہ وہ بزرگ ہیں کہ شیخ وقت حضرت شبلی اور ابراہیم خواص ان کی مجلس میں حاضری دیتے تھے اور انھیں کی مجلس میں تائب ہو کر فائز المرام ہوئے، سید الطائفہ جنید نے آپ کی توصیف ایک مختصر مگر نہایت جامع لفظ میں کی ہے خیرنا، ایک سو بیس برس کی عمر پائی،

صاحب سفینۃ الاولیاء نے لکھا ہے گاہے جولاہگی کردے گاہے بلب آب دجلہ شدہ ماہیان بوئے تقرب جستند۔ ایک کرامت اور آپ کی منقول ہے کہ ایک بڑھیا کے کپڑے آپ نے بُنے تھے، وہ اجرت لائی، آپ سے ملاقات نہ ہوئی تو دجلہ میں ڈال کر چلی گئی، یہ دجلہ کے کنارے پہونچے تو ایک مچھلی منہ میں لیکر حاضر ہوئی، (تاریخ المنوال صلا)
خیر نساج کی وفات ۳۲۲ھ میں ہوئی۔ بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خیر نساج پیشہ کے طور پر یہ کام نہیں کرتے تھے بلکہ ایک دفعہ پکڑ لئے گئے تھے، تو چار ماہ تک کام کیا تھا۔ لیکن جہاں یہ لکھا ہے وہیں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دن ایک جوان ان کے پاس آیا، جس کا ہاتھ سوکھ گیا تھا۔ خیر نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ میں نے آپ کے کپڑے کی گرہ کھول کر ایک درہم لے لیا تھا، آپ نے فرمایا کہ وہ گھروالوں کے کاتے ہوئے سوت کی قیمت تھی، خیر جاؤ، اسں کو لے لو، اور پھر ایسا نہ کرنا، اس کے بعد خیر نساج نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ پھیر دیا۔ وہ اچھا ہوگیا، اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ ان کے گھر بنائی کے قسم کا کام ضرور ہوتا تھا۔ (دیکھو صفۃ الصفوۃ)

ابن الدقاق صالحی اعزازی

ابراہیم بن محمد بن عتاب نام تھا، ۶۵۸ھ میں پیدا ہوئے ابن القواس سے "عمل الیوم و اللیلۃ" لابن السنی کا ایک حصہ سنا اور علی بن احمد بن عبدالدائم اور عیسی بن ابی محمد مغاری اور داؤد بن حمزہ وغیرہم سے بھی حدیثیں سنیں قدرے قلیل لوگوں کو حدیثیں سنایا کرتے تھے، ۷۳۱ھ میں ان کی وفات ہوئی، حافظ ابن حجر نے دررکامنہ میں لکھا ہے کہ وہ حائک تھے (صہ ۱ ۶۲)

دوست محمد نورباف

فتح پور ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے تھے۔ شاہ گنج علی (جن کا ذکر آگے آئیگا) کے مرید ہو کر کاروبار چھوڑ بیٹھے، اور شب وروز پیر کی خدمت میں رہنے لگے، بالآخر درویش کامل ہوئے۔
(تعریف العارفین قلمی ذکر شاہ گنج علی)

محمد درویش دہکی

حسینی نے شاعر ابدال کیش محمد درویش کے عنوان سے ان کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ قزوین کے ایک محلہ دہک کے رہنے والے اور شعر و سخن کی کسوٹی تھے" امیر علی شیر نے لکھا ہے کہ خطۂ عراق کے شعراء میں دہکی کے شعر سے بہتر میں نے کسی کے شعر نہیں سنے' حضرت مولانا جامی بھی دہکی کی شاعری کے معتقد تھے، حالانکہ دہکی کی نگاہ میں شاعری کے لحاظ سے مولانا جامی کی کوئی وقعت نہ تھی، مولانا جامی جب حج کے لئے روانہ ہوئے ہیں تو دہکی کے گھر جا کر ملاقات کی، مگر دہکی نے رخصت ہونے کے بعد یہ اشعار کہے،

اے باد صبا بگو بجامی[1]   کاے دزدِ سخنوران نامی
بُردی اشعار کہنہ و نو   از سعدی و انوری و خسرو

اکنوں کہ سر حجاز داری
و آہنگ حجاز ساز داری

دیوان ظہیر فاریابی   در مکہ بدزد اگر بیابی

حسینی نے کہا انصاف یہ ہے کہ دونوں ماہر اور استاد تھے (تذکرہ حسینی صفحہ ۱۲۲)
دہکی مولانا جامی کے معاصر تھے، اور مولانا جامی کی وفات ۸۹۸ھ میں ہوئی ہے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں نے خریطۂ جواہر میں دہکی کے حسب ذیل اشعار کو منتخب کیا ہے۔ ؎

در نسخۂ کہ وصفِ لبت را بیاں کنم   جاں درمیاں نہم کہ ورق را نشاں کنم
چوں باباد خطت آہے برآید از دل چاکم   پس از مردن شود ابر دے گرید بر سر خاکم

حسینی نے لکھا ہے گاہے بکسب جولاہگی و گاہے بخشت مالی معیشت میکرد (تذکرہ حسینی صفحہ ۱۲۲)

حسینی نے بھی دہکی کے اشعار کا مختصر انتخاب دیا ہے۔ ایک شعر یہ ہے ؎

دل نگردد خوش مرا از دوستان دیگراں[2]   چوں تواند زندہ بودن کس بجانِ دیگراں

---

[1] اے باد صبا! جامی سے کہو کہ اے مشہور سخنوروں کے سارق، تو سعدی، انوری اور خسرو کے قدیم و جدید اشعار لے اڑا، اب جبکہ تو حجاز میں ہے اور آہنگ حجاز کا ساز رکھتا ہے، تو ظہیر فاریابی کا دیوان اگر مکہ میں ملے تو لے آنا (مسعود)

[2] میرا دل دوسرے دوستوں سے خوش نہیں ہوتا، کوئی شخص دوسروں کی جان پر کیوں کر خوش رہ سکتا ہے۔

شیخ رجب قدس اللہ سرہ

مخدوم شیخ بھیکہ کے مرید تھے، موضع رام دایہ میں جو درگاہ میر سید اشرف جہانگیر قدس سرہ (کچھوچھہ) سے ایک کوس کے فاصلہ پر واقع ہے، ان کا مزار ہے، مرآۃ الاسرار میں ہے کہ از قوم حائک بود، احوالے بلند داشت، یعنی قوم کے بافندہ تھے، بلند حالات رکھتے تھے۔

شیخ زائراللہ مانڈوی

آپ شیخ عمر مانڈو والے کے بیٹا ہیں۔ آپ کے دادا کے یہاں قالین بننے کی کارگاہ تھی سلاطین خلج کا زمانہ تھا کہ مانڈو میں آئے تھے، شیخ عمر نے بزرگوں کا پیشہ ترک کر کے درویشی کا لباس اختیار کر لیا، بہت کچھ کمالات حاصل کر کے دنیا سے رحلت فرمائی۔

شیخ زائراللہ نے باپ کے مراسم باپ سے زیادہ ادا کئے، پرہیز، توکل، خوشنودی، کوشش سپاس اور راستی، یہ صفات آپ کے خمیر میں تھے، اسی رفتار سے اپنی عمر اسّی سال تک پہونچائی، ۹۸۴ھ میں روزانہ گلزار ابرار کے مصنف کی مسجد میں قرآن سننے اور تراویح پڑھنے کے لئے آتے تھے چونکہ گھر دور تھا اس لئے رات بھی اسی جگہ بسر کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ ہماری آخری تراویح ہے، اگلے سال رمضان سے پہلے ہی عید وصال نصیب ہو گئی، خوابگاہ مانڈو میں ہے (گلزار ابرار ص۳۴۱)

شیخ سدھی سپید باف

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے شیخ، شیخ الاسلام شیخ بن حکیم اودھی کے زمانہ میں بڑے کامل ولی تھے، شیخ گنگوہی نے اپنے شیخ مذکور کی زبانی حکایت فرمائی ہے کہ ایک دن شیخ سدھی نماز میں شریک ہوئے اور ایسی محویت و بیخودی طاری ہوئی کہ سب مصلی نماز پوری کر کے فارغ ہو گئے اور یہ کھڑے کے کھڑے تھے، جب لوگوں نے ان کو آگاہ کیا تو بولے کہ میں اس فکر میں تھا کہ خدا کو دیکھتا ہوں (یا دیکھوں) اس کے سوا مجھکو کچھ خبر نہیں ہے، شیخ فرماتے ہیں کہ سدھی پر کبھی

کبھی یہی حال واستغراق نماز میں طاری ہوجایا کرتا تھا یہانتک کہ اخیر اخیر میں ہر وقت محویت رہنے لگی، اور کسی وقت گویا ہوش میں نہیں رہتے تھے (مکتوبات قدوسی صفحہ ۲۲)

حضرت شاہ شاہی سنبھلی

آپ کا نام نورالدین محمد تھا (تعریف العارفین) آپ قادری سلسلہ میں خواجہ بہاءالدین کے وہ شیخ ابوالفتح کے وہ شیخ ابراہیم کے وہ مخدوم فتح اللہ ملتانی کے وہ شاہ ابوالعباس کے وہ میر حسن کے اور وہ سید موسیٰ قادری کے خلیفہ تھے، صاحب خلاصۃ التاریخ نے شیخ شاہی کا شاہ قمیص قادری سے بیعت ہونا بیان کیا ہے، صاحب بحر زخار کہتا ہے کہ شاید ان سے بھی خرقۂ خلافت پایا ہو۔

صاحب بحر زخار خلاصۃ التاریخ سے ناقل ہے کہ ان کی ٹھیک یہ حالت تھی کہ دل بیار و دست بکار، ہمیشہ کپڑا بنتے اور ہر تار پر کلمہ پڑھتے جاتے، ان کا بنا ہوا کپڑا ہر امیر و غریب کفن کے لئے خریدتا، ان کا دائمی معمول یہ تھا کہ صبح کی نماز عید گاہ میں پڑھتے ا اشت کے وقت تک دعائے سیفی وغیرہ بلند آواز سے پڑھتے رہتے پھر گھر آکر ظہر کے وقت تک کپڑا بنتے، اس کے بعد سے تلاوت قرآن کرتے رہتے، کپڑا بیچ کر اس کی قیمت ایک جگہ چھپا کر رکھتے تھے اسی میں سے ہر سائل کو دیا کرتے تھے ایک آدمی کو معلوم ہوگیا اور اس نے وہ روپے پیسے چرائے مگر ہاتھ میں لیتے ہی وہ کنکر ہوگئے، شیخ کی کرامتیں بہت زیادہ ہیں۔

سنہ ۱۰۵۵ھ میں وفات ہوئی۔ شاہ شاہی کے بعد ان کے لڑکے حضرت شاہ حیدر ان کے جانشین ہوئے، ان کے علاوہ ان کے متعدد عالی شان خلفاء ہیں از انجملہ شاہ عبدالملک دکھنی ہیں ٹھٹھ، بھکر، سورت اور علاقہ گجرات میں ان کے بے حد و حساب مریدین تھے اور اکثر تصوف میں بہت اونچا مرتبہ رکھتے تھے مثلاً شاہ غلام محمد و شاہ عنایت اللہ (جن کے ایک لاکھ کے قریب

سلہ انھیں کے خلیفہ شاہ پیر محمد اورنگ آبادی ہیں جن سے شاہ فاضل سورتی نے خلافت پائی تھی۔ (حقیقت السورت صفحہ ۲۳)

مرید تھے) (بحر زخار ص ۱۴۴۵) ان تمام حضرات کے حالات وکرامات تعریف العارفین (اس کا قلمی نسخہ احقر کے پاس موجود ہے) میں شرح وبسط سے مذکور ہیں۔

صاحب تعریف العارفین نے شیخ شاہی کی بزرگی وکرامات کا ذکر بہت تفصیل سے کیا ہے مگر وہ اس غیر اسلامی پروپیگنڈہ سے کہ باندگی رذالت ہے اتنا متاثر وخوف زدہ ہے کہ انکی باندگی کی طرف اشارہ تک نہیں کیا ہے، وہ ہندوستانیوں کی ذہنیت سے خوب واقف ہے جانتا ہے کہ یہ لکھ دینے کے بعد شیخ شاہی کی بزرگی وولایت سب پر پانی پھر جائے گا۔ ورنہ ان کا باندہ ہونا بالکل یقینی ہے، سید شاہ کمال سنبھلی ان کے معاصر اور ہم سبق ہیں وہ اپنی تصنیف اسراریہ میں لکھتے ہیں:-

شیخ شاہی سنبھلی مرید در سلسلۂ قادریہ است در ساڈھورہ شاہ قیص وے نساج بود وظیفہ شبانروزی وے آن بود کہ ہر صبح بعید گاہ رفتے ونماز بامداد گذاردے وتا چاشت وعامل سیفی وغیر ذالک بلند خواندے وبخانہ آمدے وتا نماز پیشیں جامہ بافتے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ درویش صاحب کمال بودہ وبوضع درویشان سابقین زندگانی کردے ودعائے وے قبولے داشتہ اکثر بیماران توجہ وے شفا یافتے من وے را از ایام صبای شناسم مدتے ہم دبیرستان بودہ ام پیش ملا عبدالکریم برادر شیخ فاضل ازاں گاہ تا آخر عمر لباس وے یک وتیرہ بود، فوطہ بر سر وجامہ دربر وتہبند در زیر، در بیماری آخر وے من بعیادت رفتم پرسیدم حال چیست گفت عاجزم عاجزم غربت بسیار از وے ظاہر شد ۲ جمادی الاخری سنہ ۱۰۶۵ھ

شیخ شاہی سنبھلی ساڈھورہ شاہ قیص میں قادری سلسلہ میں مرید تھے، وہ پارچہ باف تھے ان کا روزانہ کا معمول یہ تھا کہ صبح کو عید گاہ میں فجر کی نماز پڑھکر چاشت تک سیفی وغیرہ دعائیں بلند آواز سے پڑھتے رہتے پھر گھر آکر ظہر کی نماز تک کپڑا بنتے . . . .

وہ درویش کامل تھے، اور اگلے درویشوں کی وضع پر زندگی بسر کرتے تھے، ان کی دعا مقبول تھی اکثر بیمار ان کی توجہ سے شفا پاتے تھے میں لڑکپن سے ان کو جانتا پہچانتا ہوں، اور شیخ فاضل کے بھائی ملا عبدالکریم کی خدمت میں ہم دونوں ہم دبستاں (ساتھ پڑھتے) تھے اس وقت سے آخر عمر تک ان کا لباس ایک ڈھنگ کا رہا، سر پہ لنگی، بدن پر کپڑا، اور نیچے ایک تہبند میں ان کی آخری بیماری میں ان کی عیادت

وفات یافت قبر متصل عیدگاہ و آنجا درخت نیم نیک نشاندہ است (اسرار یہ قلمی صفحہ ۲۰۲)

کو گیا، حال پوچھا تو فرمایا میں عاجز و بیکس ہوں میں عاجز و بیکس ہوں، بڑی مسکینی ان سے ظاہر ہوئی، جمادی الاخری ۶۹۰ھ میں وفات پائی (سنبھل میں) عیدگاہ کے متصل ان کی قبر ہے اور وہاں نیم کے درخت انھیں کے نصب کئے ہوئے ہیں۔

شرف نسّاج

شیخ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ میں لکھا ہے کہ شرف نسّاج بن عنوان اسکندری نزیل مصر نہایت تازہ الکلام شاعر اور بڑا فاضل ادیب تھا اس فن میں کامل دستگاہ اور فضیلت تامہ رکھتا تھا۔

شیخ صالح بن قاسم حربی موذن

آپ کی کنیت ابو حامد تھی، ابن کوزہ کے لقب سے مشہور تھے، ان کے والد کا لقب کوزہ اور نقّال تھا، نقّال اس کو کہتے ہیں جو چیزوں کو اِدھر سے اُدھر منتقل کرتا ہے۔

حافظ منذری نے تکملہ صفحہ ۱۵۹ میں ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ شیخ صالح تھے ان سے ہم کو اجازت حدیث حاصل ہے بغداد سے کئی بار انھوں نے اجازت نامہ بھیجا ہے، ان کا تعارف النسّاج القزاز کے الفاظ سے کرایا ہے، ان کا سال وفات سنہ ۶۲۰ھ ذکر کیا ہے۔ اسی کتاب میں ان کے لڑکے شیخ ابراہیم کا ذکر بھی منذری نے کیا ہے، ان کی وفات سنہ ۶۲۵ھ میں ہوئی (تکملہ صفحہ ۴۱۹)

حضرت ضیاء الدین غازیپوری صوفی حائک

مولوی نور محمد صاحب لکھتے ہیں، حضرت شیخ ضیاء الدین غازیپوری مرد کامل صاحب کرامت ولی اللہ تھے ان کی کرامت یہ مشہور ہے کہ ایک ستون پتھر کا جو ابھی تک ان کی مسجد میں موجود ہے چھوٹا ہوتا تھا، (ان کی دعا سے) بڑھکر اور ستونوں کے برابر ہو گیا، یہ بزرگ بھی اسی حرفت کرنے والوں میں تھے، اور شیخ نور بات تھے ان کی قبر کی ہر جمعرات کو لوگ زیارت

کرتے جاتے ہیں، بڑا مجمع ہوتا ہے۔

کمترین کہتا ہے کہ میرے ایک غازیپوری دوست نے غازیپور ہی کے ایک نستانی بزرگ کی دو حکایتیں ذکر کی ہیں۔ وہ بھی غالباً آپ ہی کی ہونگی:۔

(۱) ایک دفعہ آپ کے محلہ کے کسی شخص نے آپ کی کارگاہ کے پاس جاکر کہا کہ مچھلی کھینچئے پہلے تو آپ یہی کہتے رہے کہ میں اپنے کام میں ہوں مچھلی کہاں سے لاؤں، جب وہ بہت مصر ہوئے تو آپ نے کارگہ میں ہاتھ ڈالا اور ایک تازی مچھلی نکال کر دیدی۔

(۲) ایک دفعہ کچھ شریر لونڈے ایک بڑھیا کے زندہ لڑکے کا مصنوعی جنازہ تیار کرکے لائے اور آپ سے کہا ایک شخص مرگیا ہے ذرا نماز جنازہ پڑھا دیجئے اور بہت آپ کو تنگ کیا، ہر چند انکار کیا مگر وہ نہیں مانے، بمجبوری آپ اٹھے اور نماز جنازہ پڑھادی، شریروں نے ایک قہقہہ لگایا اور چادر ہٹادی، دیکھا تو وہ واقعی مُردہ تھا۔

مولانا حکیم محمد طاہر (پورہ شیخ معروف)

آپ کا مولد و مسکن پورہ شیخ معروف تھا، مولانا محمد قائم امام جامع مسجد مئو اور مولانا سخاوت علی جونپوری سے علوم ظاہر اور مولانا کرامت علی جونپوری سے باطنی فیوض حاصل کئے مولانا کرامت علی سے آپ کو خلافت و اجازت حاصل تھی، علم طب میں آپ کا بڑا شہرہ تھا حدیث و فقہ سے بھی شغف تھا، خطاط بھی تھے، نہایت ضخیم ضخیم بیسیوں کتابیں مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم، مجالس ابرار، اشعۃ اللمعات وغیرہ ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی آج بھی موجود ہیں، غیر معمولی جسمانی قوت کے مالک تھے۔

سنہ ۱۲۶۱ھ میں حجاز کا سفر کیا اور اس سفر میں حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی سے حدیث کی کچھ کتابیں پڑھیں اور اجازت حاصل کی، شاہ صاحب کا دستخطی اجازت نامہ ان کے ورثہ کے پاس موجود ہے۔

سنہ ۱۲۹۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی، آپ کا ذکر "معارف" دسمبر ۱۹۳۷ء میں بھی ہے، آپ نائب قاضی بھی تھے، قاضی محمد سلیم نے سنہ ۱۲۵۵ھ میں ایک معاملہ میں ان کو ایک تحریر بھیجی ہے۔

اسمیں لکھتے ہیں "عزیز القدر مولوی محمد طاہر نائب القاضی بعافیت باشند" اس تحریر کی نقل میرے پاس موجود ہے۔

شیخ طٰہٰ جبرینی محدث حلب

طٰہٰ بن مہنا شافعی جبرینی الاصل حلبی المولد، یگانۂ روزگار علامہ، اور محقق فاضل تھے، علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع اور بیدار ذہین و ذکی تھے، بحث و تحقیق میں یکتا، عبادت اور زہد و تقویٰ میں فرد تھے، ۱۰۸۲ھ میں پیدا ہوئے، طلب علم کے شوق میں حجاز تک کی خاک چھانی، عبداللہ بن سالم بصری اور تاج الدین قلعی حنفی اور شیخ ابوالحسن سندی وغیرہم سے فن حدیث حاصل کر کے وطن کی طرف مراجعت فرمائی اور درس و افادہ میں مشغول ہو گئے، جن لوگوں نے ان سے نفع اٹھایا ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ شمار نہیں ہو سکتے، کتاب المغازی تک بخاری کی شرح یا حاشیہ لکھا، کبھی کوئی وظیفہ قبول نہیں کیا، الاجہ (ایک قسم کا کپڑا) بنتے اور بنواتے تھے، اور اسی سے کفاف حاصل کرتے تھے۔

ربیع الاول ۱۱۷۸ھ میں وفات پائی، سید عبداللہ یوسفی حلبی نے تاریخ وفات کہی ہے

ارخته[1] لعلی الجنا ∴ ن محدث الشہباء حلا (سلک الدرر ص۲۱۹ ج۲)

حضرت عزیزان رحمۃ اللہ علیہ

نام خواجہ علی رامیتنی، حضرت عزیزان لقب، رامیتن ولایت بخارا کا بہت بڑا قصبہ ہے اسی سرزمین کو آپ کے مولد ہونے کا شرف حاصل ہے یہیں نشو و نما پائی اور تحصیل علم میں مشغول ہو کر درجۂ کمال کو پہونچے، مواہب سرمدیہ میں ہے، واشتغل[2] بتحصیل العلوم الشرعیۃ حتے تضلع منہا (ص۷۹)

---

[1] - میں نے اس کی تاریخ یہ نکالی کہ محدث شام جنت کو سدھارے۔ (مسعود)

[2] - علوم شرعیہ کی تحصیل میں مشغول ہوئے یہاں تک کہ رتبۂ کمال کو پہونچے۔ (مسعود)

خواجہ محمود انجیر فغنوی کے ارشد خلفاء میں سے ہیں، جب خواجہ محمود کی وفات کا وقت آیا تو اپنی جانشینی کیلئے حضرت عزیزان ہی کو منتخب فرمایا۔ اور اپنے تمام خلفاء اور مریدین کو آپ کے سپرد فرمایا، رشحات میں ہے کہ آپ کے مقامات بہت بلند اور آپ سے بکثرت کرامات کا صدور ہوا ہے۔

آپ خواجہ بزرگ حضرت شیخ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے پردادا پیر تھے، خواجہ بزرگ حضرت سید امیر کلال کے اور وہ حضرت بابا محمد سماسی کے اور وہ حضرت عزیزان کے خلیفہ تھے۔

دنیا میں جتنے نقشبندی سلسلہ کے بزرگ ہوئے ہیں اور آج بھی جو حضرات اس سلسلہ میں داخل ہیں وہ سب اس فقیر بافندہ کی غلامی کو اپنا سرمایہ افتخار سمجھتے ہیں اور ان کی جوتیوں کے تسمے کو اپنا تمغائے شرافت جانتے ہیں۔

خواجہ نقشبند، مولانا یعقوب چرخی، خواجۂ احرار، خواجہ علاء الدین عطار، سید شریف جرجانی، مولانا نور الدین جامی، خواجہ باقی باللہ، حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے خلفا حضرت مرزا مظہر جان جاناں، شاہ ولی اللہ، شاہ غلام علی، مولانا خالد، قاضی ثناء اللہ پانی پتی حضرت سید احمد بریلوی، وغیرہم سب حضرات اس فقیر بافندہ کے سلسلۂ ارادت میں داخل اور اس نسبت پر نازاں اور مفتخر ہیں۔

مولانا کاشفی رشحات میں اور مولانا جامی نفحات ص۳۸۳ میں لکھتے ہیں کہ "بصنعت بافندگی مشغول بودہ اند" یعنی حضرت عزیزان کپڑا بننے کا کام کرتے تھے، مولانا جامی فرماتے ہیں کہ بعض اکابر سے میں نے سنا ہے کہ مولانا جلال الدین رومی نے اپنے اس شعر میں حضرت عزیزان ہی کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

گر نہ علم حال فوق قال بودے کے شدے ؛ بندہ اعیانِ بخارا خواجہ نساج ما

ترجمہ: "اگر علم حال علم قال سے بلند نہ ہوتا تو بخارا کے تمام اعیان واشراف خواجہ نساج (بافندہ) کے غلام کیسے بن جاتے"۔

لطائف اشرفی ص۳۵۳ میں ہے "صاحب مقامات علیہ[1] وعلامات متعالیہ است، بصنعت

---

[1] بلند مقامات وعلامات کے حامل تھے، پاکیزہ روزی کے طور پر بافندگی کیا کرتے تھے۔ (مسعود)

با فندگی از جہت پاکیزگی قوت اشتغال داشتند۔

اس کے بعد حضرت رومی کا شعر بمضمون حضرت جامی نقل کیا ہے :۔

رشحات و مواہب سرمدیہ میں ہے کہ جب اشارہ غیبی کے بموجب حضرت عزیزان نے بخارا سے خوارزم کا قصد فرمایا تو شہر کے دروازہ پر پہونچکر بادشاہ خوارزم کے پاس پیغام بھجوایا کہ ایک فقیر بافندہ تمھارے شہر کے دروازہ پر آیا ہے اور یہاں مقیم ہونا چاہتا ہے، اگر تمھاری مصلحت ہو تو ٹھہرے ورنہ واپس جائے۔ اور جو درویش پیغام لے گئے تھے ان کو تاکید کر دی تھی کہ اگر بادشاہ رہنے کی اجازت دے تو ایک فرمان لکھوالینا، درویش پیغام لیکر گئے، بادشاہ نے اجازت دی، جب فرمان لکھنے کو کہا تو بادشاہ اور ارکانِ دولت نے مضحکہ اڑایا کہ یہ بڑے نادان اور سادہ لوح لوگ ہیں۔

بہرحال مذاق کے طور پر ایک فرمان لکھکر دیدیا، جب حضرت عزیزان کو فرمان مل گیا تو شہر میں تشریف لائے، اور ایک گوشہ میں بیٹھ گئے۔ چند دنوں کے بعد خلائق کا تمام رجوعہ ہوا کہ بادشاہ کو اندیشہ پیدا ہوا کہ ان کی وجہ سے حکومت میں کوئی خلل نہ پیدا ہو جائے اسلئے بادشاہ اس ارادہ سے حضرت کی خدمت میں آیا کہ ان کو یہاں سے نکل جانے کا حکم دے، حضرت نے اس وقت وہی فرمان نکال کر اس کے سامنے رکھدیا اور فرمایا کہ ہم تمہارے شہر میں تمھاری اجازت سے مقیم ہوئے تھے، اب اگر تم اپنے فرمان سے پھرتے ہو تو ہم کو یہاں سے نکل جانے میں میں عذر نہیں ہے۔ اس وقت بادشاہ اور ارکان دولت نہایت شرمندہ ہوئے، اور حضرت کے عقیدتمندوں میں داخل ہو گئے۔

رشحات میں ہے کہ کسی نے حضرت عزیزان سے ایمان کی حقیقت دریافت کی، آپ نے اپنے پیشہ کی مناسبت سے فرمایا کہ توڑنا اور جوڑنا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے مالابدمنہ ص۱۲۵ میں حضرت عزیزان کی یہ رباعی نقل فرمائی ہے۔

با ہر کہ نشستی و نشد جمع دلت	وز تو نرمید زحمت آب و گلت
زنہار ز صحبتش گریزاں می باش	ورنہ نکند روح عزیزاں بحلت

---

[۱] ۔ تو ہر شخص کے پاس بیٹھا اور تجھے دلجمعی کی دولت حاصل ہوئی، تو حسن ظن برقرار رکھ ورنہ تو بزرگوں کی ارواح سے اکتساب یقین نہ کر سکے گا۔ (مسعود)

حضرت عزیزان نے ایک سو تیس ۱۳۰ برس کی عمر پائی، دوشنبہ ۱۸ ذی القعدہ ۷۱۵ھ یا ۷۲۱ھ میں آپ نے رحلت فرمائی، اور خوارزم میں مدفون ہوئے۔

حضرت کے دو صاحبزادے خواجہ خورد، اور خواجہ ابراہیم تھے، دونوں عالم عامل اور عارف کامل تھے، دونوں صاحبوں کے حالات ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔

شاہ عثمان شہید

گم گشتہ حالات اجودھیا صلا میں ہے کہ شہر اجودھیا محلہ کمال الدین اولیا غوثی نورباف کے مکان کے پاس شاہ عثمان شہید کی قبر ہے، جو کہ نور بافوں کی اولاد میں سے تھے، اب تک ان بزرگ کا ۲۷ رجب کو عرس کرتے ہیں، نہایت برکت اور رزق گھر والوں کو پہونچتا ہے۔

حافظ عبداللہ غازیپوری بن شیخ عبدالرحیم

جائے ولادت مئو اعظم گڈھ، سن ولادت ۱۲۶۲ھ، والدین نادار تھے اس لئے محنت مزدوری کے ساتھ تحصیل علم میں بھی مصروف تھے، ۱۲ برس میں حافظ سے فارغ ہو گئے، فارسی اور ابتدائی عربی مولوی محمد قائم مئوی سے پڑھیں، ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں مئو کو خیرباد کہکر غازی پور میں پناہ لی، جب ہنگامہ فرو ہوا تو چشمۂ رحمت میں مولوی رحمت اللہ فرنگی محلی سے بقیہ درسیات پڑھیں، اس کے بعد مدرسہ امام بخش (جونپور) میں مولوی محمد یوسف فرنگی محلی کے پاس جملہ علوم رسمیہ سے فراغت حاصل کی، مولوی صاحب آپ کی ذہانت سے بہت خوش رہتے تھے، آخر میں میاں صاحب سید نذیر حسین سے حدیث پڑھی، میاں صاحب فرماتے تھے کہ "میرے درس میں دو عبداللہ آئے، ایک عبداللہ غزنوی، دوسرے عبداللہ غازی پوری" (تذکرہ علمائے حدیث)

میں نے بعض علماء کی زبانی سنا ہے کہ حافظ صاحب نے مولانا فاروق صاحب چریا کوٹی سے بھی پڑھا ہے، اور جن علماء کو حافظ صاحب سے شرف تلمذ حاصل ہوا ہے ان میں مولانا شبلی نعمانی بھی ہیں۔ حافظ صاحب ایک زمانہ تک حنفی مذہب پر عامل تھے، پھر اہلحدیث ہو گئے، شاگردوں میں مولوی سعید بنارسی، مولوی عبدالنور مظفر پوری، شاہ عین الحق پھلواروی، مولوی علی نعمت پھلواروی، مولوی عبدالرحمٰن مبارکپوری

مولوی عبدالسلام مبارکپوری، مولوی محمد علی ابوالمکارم مئوی، مولوی سعید الرحمٰن تقاغانہ پوری، شاہ وارث حسن کوڑہ جہان آبادی، مولوی ابوبکر جونپوری، سید داؤد غزنوی، مولوی علی حسن قدوائی نخار نیلا ڈہری وغیرہم قابل ذکر ہیں۔[۱]

نگرہٹا کے ایک سن رسیدہ مولوی صاحب ذکر کرتے تھے کہ ایک بار مولانا عبدالحی لکھنوی کسی ضرورت سے غازی پور آئے، نماز کے لئے اسی مسجد میں گئے جہاں حافظ صاحب درس دیتے تھے، نماز کے بعد مولانا نے درس سنا، مگر حافظ صاحب حجرہ میں پڑھا رہے تھے ان کو خبر نہ تھی، فراغ کے بعد ملاقات ہوئی تو حافظ صاحب نے کہا کہ مجھے خبر نہ ہوئی کہ آپ مسجد میں ہیں ورنہ آپ کی موجودگی میں درس نہ دیتا، مولانا نے فرمایا کہ میں نے آپ کا درس سنا بہت خوب پڑھا رہے تھے۔

حافظ صاحب کی تصنیفات میں رکعات التراویح، تسہیل الفرائض۔ منطق، ۱۸۹۱ء کا میں نے مطالعہ کیا ہے، اس کے علاوہ نقول احمدی (صرف میں) النحو، مقدمہ صحیح مسلم کا نام بھی آپ کی تصنیفات میں لیا جاتا ہے۔

خان بہادر ڈاکٹر عبدالرحیم آپ کے داماد تھے، حافظ صاحب کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی، ۱۳۳۷ھ میں بمقام لکھنو وفات ہوئی، مولوی ثناء اللہ امرتسری نے آپ کی وفات پر اخبار اہلحدیث میں لکھا کہ، "آہ عبداللہ! میری آنکھوں نے تیرے جیسا کامل عالم نہیں دیکھا، سننے میں تو بہت آئے، ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

---

[۱] تذکرۂ علمائے حال میں ہے کہ کتب مختصرہ اپنے والد اور مولوی عبدالقادر غازی پوری اور حکیم صفدر علی جاکی اور مولوی فاروق چریا کوٹی اور مولوی رحمت اللہ لکھنوی سے اور کتب مطولہ مفتی محمد یوسف اور مولوی نعمت اللہ لکھنوی سے پڑھیں، اور ۱۲۹۰ھ میں حج کو گئے تو سید معمر عباس بن عبدالرحمٰن بن محمد بن الحسین بن القاسم یمنی شہاری سے جو قاضی شوکانی کے شاگرد تھے حدیث کی سند لی، غازی پور، ڈیانواں، اور آرہ میں درس دیا۔

خاتم سلیمانی نے ص۔ میں مولانا شاہ سلیمان پھلواروی کے متعلق لکھا ہے کہ "حضرت نے کچھ اسباق جناب مولانا محمد فاروق چریاکوٹی اور جناب مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری سے اور جناب مولانا معین الدین صاحب ساکن کڑا (ہریانہ) سے پڑھے تھے۔"

مولوی عبدالرحمن مبارک پوری

والد کا نام مولوی حافظ عبدالرحیم ہے، جو قاضی شیخ محمد مچھلی شہری کے شاگرد تھے، مولوی عبدالرحمن صاحب نے ابتدائی کتابیں مولوی خدابخش اعظم گڈھی وغیرہ سے پڑھیں پھر مولینا فیض اللہ مئوی وغیرہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا، حافظ عبداللہ صاحب سے ادب، معانی ہیئت، تفسیر، حدیث، فقہ، اور معقولات کی تحصیل کی، میاں صاحب اور شیخ حسین عرب سے بھی حدیث پڑھی، قاضی شیخ محمد مذکور سے بھی مسلسل بالاولیت اور بلوغ المرام وغیرہ کی سند لی۔

ان کی زندگی کا قابل ذکر کارنامہ ترمذی کی وہ شرح ہے جو تحفۃ الاحوذی کے نام سے چار جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، اس کا ایک مقدمہ بھی طبع ہو چکا ہے، اس کے علاوہ ابکار المنن، کتاب الجنائز خیر الماعون، وغیرہ بھی آپ کی تصنیفات میں ہیں۔

عون المعبود (شرح سنن ابی داؤد) کی تالیف میں بھی آپ شریک تھے، مولوی محمود پورہ معروف، مولوی الٰہی بخش مبارکپوری مرحوم، اور مولوی عبدالرحمن مئوی وغیرہم آپ کے تلامذہ میں ہیں اور شیخ تقی الدین ہلالی مراکشی نے جو اس وقت بغداد میں ہیں ان سے حدیث کی سند لی ہے ہلالی صاحب بغداد کے بعد مدینہ منورہ منتقل ہو گئے اور جامعہ اسلامیہ میں درس دینے لگے آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے اسی زمانہ میں ان کو میں نے مدینہ منورہ میں دیکھا تھا، ۱۳۵۳ھ میں اپنے وطن میں وفات پائی۔

مُلّا عبدالرحیم گورکھپوری

علامہ شاہ عبدالعزیز دہلوی کے شاگرد، ادیب کامل اور متبحر عالم تھے، جب کلکتہ پہونچے تو انگریزی سیکھنا شروع کیا، تھوڑے ہی دنوں میں اتنی استعداد پیدا کر لی کہ بہت تمام انگریزی سے عربی اور فارسی میں ترجمہ کر لیتے تھے، بہت کتابیں اور رسالے تصنیف کئے شہزادہ غلام محمد پسر سلطان ٹیپو شہید کی فرمائش پر ایک کتاب کارنامہ حیدری لکھی جو ۱۸۴۸ء میں کلکتہ میں طبع ہوئی، محبوب الالباب کا مصنف لکھتا ہے کہ حیدر شاہ ٹیپو کے احوال میں کوئی تاریخ اس سے بہتر عالم وجود میں نہیں آئی، اس کے علاوہ ہندوستان کی تاریخ وغیرہ انکی تصنیفات

سے ہیں، محبوب الالباب (فہرست کتب خانہ بانکی پور) ۱۳۱۴ھ میں لکھی گئی ہے، اس وقت ملّا کی وفات کو تیس برس سے زائد ہو چکے تھے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ملّا کی وفات ۱۲۸۰ھ کے بعد ہوئی ہے، کہا جاتا ہے کہ ملّا کے خیالات ملحدانہ تھے، ملّا صاحب کے جاننے والے اور ان کے اقربا گورکھپور میں اب بھی موجود ہیں، بافندہ برادری کے علمی حیثیت سے مایۂ ناز فرزند تھے۔

عزّالدین عبدالعزیز قاہری

عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر قاہری حنفی، زین الدین قاسم سے علم حاصل کیا اور علم میں ابوالسادات بلقینی اور صلاح مکینی سے بھی اپنا انتساب بیان کرتے تھے، سخاوی فرماتے ہیں کہ وہ اپنے پیشہ کی بنا پر حیاک (بافندہ) مشہور تھے، رمضان ۸۷۴ھ میں انتقال کیا (ضوء لامع ص ۲۱۹/۴)

عزّالدین بن شمس الدین بن الکویک

ان کا نام عبدالعزیز باپ کا نام محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن علی بن احمد، باپ شمس الدین بن الکویک کے لقب سے مشہور تھے، تقریباً ۸۳۰ھ میں پیدا ہوئے، قاہرہ میں نشو و نما پائی، قرآن پاک وغیرہ یاد کیا، علامہ سخاوی کے رفیق درس تھے، اس کے بعد بافندگی میں مشغول ہو گئے، پھر اس کو ترک کر کے توقیع کی خدمت انجام دی، شعر بھی کہتے تھے .... (ضوء لامع ص ۲۲۸/۴)

ان کے باپ شمس الدین بن الکویک اور ان کے دادا پردادا سب کا فضلاء وقت اور محدثین میں شمار ہے۔

عبدالقادر بن علی حبّاک

(مسجد حرام (کعبہ) کے مؤذن تھے، اور مدرسہ سلطانیہ کے صوفہ کے قاریوں میں تھے بلکہ مجامع میں قراء کی صدارت کیلئے بھی مقرر تھے، (ضوء لامع، ص ۲۸۱/۴)

ضوء لامع کے مطبوعہ نسخہ میں حباک تے کے ساتھ ہے، اگر یہ کوئی مولد لفظ نہیں ہے تو ازروئے لغت حباک کے معنی عمدہ مضبوط کپڑا بننے والے کے ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ اصل لفظ حیاک رہا ہو جس کے معنی بافندہ کے ہیں، مطبع والوں کی غفلت یا اصل نسخہ کی غلطی کی وجہ سے حتاک چھپ گیا ہو،

عبدالمحسن لطائی بغدادی ادیب

ان کا شمار ادبا میں ہے، حافظ ابن حجر نے ان کے تذکرے لکھے ہیں، ان کا بیان ہے کہ وہ موالیا (شعر کی ایک قسم) بہت خوب کہتے تھے، ان کی ولادت تقریباً ۷۴۳ھ میں ہوئی، بغداد کے اصل باشندہ ہیں مگر قاہرہ میں آکر مقیم ہو گئے تھے، اخیر عمر تک پارچہ بافی اور سخن سنجی میں مشغول رہے، ۸۲۵ھ میں انتقال کیا، مقریزی نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ (ضوء لامع ج۵ ص۸۶)

عبدالمنعم محلی ادیب

عبدالمنعم بن عبدالمولیٰ بن عبدالقادر بن عبداللہ بغدادی ثم محلی المعروف بالادیب ۲۲ محرم ۷۶۲ھ کو بغداد میں پیدا ہوئے، وہیں قرآن پڑھا، گیارہ حج کئے، بیت المقدس کی بار بار زیارت کی، مکہ میں مقیم ہوئے اور بافندگی کو ذریعۂ کسب قرار دیا، شعر گوئی اختیار کی اور دوسروں سے گوئے سبقت لے گئے، علامہ ابن فہد اور علامہ بقاعی نے ان کے اشعار لکھے ہیں از انجملہ یہ اشعار ہیں:

اضحت سلاطین الھوی جائرۃ[1]	من جورھم ھا ادمعی جاریۃ
فی حب خود تیمتنی تختال[2]	فی خدھا الوردی یاعم خال
نظرتھا تھتز من فوق خال	ھمت وقلت مثلھا ماتخال

(ضوء لامع ج۵ ص۸۹)

علی بن حسین معروف بابن زکنون

علاء الدین علی بن حسین بن عروہ ابوالحسن مشرقی ثم الدمشقی حنبلی معروف بابن زکنون، ۷۶۰ھ سے قبل پیدا ہوئے، قرآن پاک یاد کیا اور فقہ سیکھا اور اس میں بڑے فائق ہوئے، پھر بہت سے

---

[1] نفس پرست حکمراں ظالم ہو گئے، ان کے ظلم پر میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ (مسعود)

[2] ایک نازک ادا حسینہ نے مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اس کے گلابی رخسار پر ایک تل ہے۔ میں نے اس کو ادا سے نازسے اٹھلاتے ہوئے دیکھا تو اس پر فریفتہ ہو گیا اور کہا کہ وہ لاثانی اور گمان سے باہر ہے (مسعود)

مشاہیر مشائخ حدیث سے سماع حدیث کیا، ان سب سے فارغ ہو کر دمشق سے باہر مسجد قدم میں لڑکوں کو حسبۃً للہ پڑھانے لگے اور تصنیف و تالیف میں معروف ہو گئے، مسند احمد کو صحیح بخاری کی ترتیب پر مرتب کیا، یہ جتنا بڑا اہم علمی کام ہے اس کو علمائے اعلام ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس کا نام انھوں نے الکواکب الدراری رکھا پھر اس کی ایک سو بیس(۱۲۰) جلدوں میں شرح لکھی اسی طرح اپنی ساری زندگی نہایت زہد و تقویٰ میں بسر کی، یہاں تک کہ ان اوصاف کے لحاظ سے مورخین نے ان کو بے نظیر قرار دیا ہے، خود اپنے ہاتھ سے عبا (پشمینہ) بنتے تھے اور اس جو آمدنی ہوتی تھی اسی پر اوقات بسر کرتے تھے، بڑے بڑے فضلاء نے ان سے سماع حدیث کیا، اور ان کی شرح مسند احمد دمشق کی شاہی جامع مسجد (جامع اموی) میں ہر جمعہ کو بعد نماز پڑھوا کر سنی جاتی تھی، حافظ ابن حجر نے ان کے عبادت و زہد وغیرہ کی بڑی مدح سرائی کی ہے جمادی الثانیہ سنہ ۸۴۲ھ میں وفات پائی، ان کے جنازہ میں بڑا بھاری مجمع ہوا، اور ان کی نعش کو سروں پر اٹھایا گیا، ان کی موت کا لوگوں کو شدید صدمہ ہوا، ان کے باب میں بحالت زندگی اور بعد موت بہت اچھے اچھے خواب دیکھے گئے، مقریزی نے بھی ان کا ذکر کیا ہے (ضوء لامع ج ۵ ص ۲۱۴)

الکواکب الدراری کی صرف ایک ضخیم جلد کتاب الزکوٰۃ سے کتاب الحج کے آخر تک رام پور کے کتب خانہ میں موجود ہے، جو ان کے داماد ابراہیم بن محمد کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے اور اس کی قدر و قیمت کا اندازہ مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے۔

علی بن حسین فارسکوری

علی بن حسین بن مکی بن جدی فارسکوری، باشندۂ فارسکور، عامی آدمی تھے، مگر موالیا (عربی نظم کی ایک قسم) بہت عمدہ نظم کرتے تھے، حافظ سخاوی نے ان کے بہت سے موالیا لکھے ہیں، ان کی ولادت تقریباً سنہ ۸۲۸ھ میں ہوئی (ضوء لامع ج ۵ ص ۲۱۶)

علی بن عبید فارسکوری معروف بابن المزین

دادا کا نام عبدالرحمٰن ہے، سنہ ۸۰۰ھ کے کچھ بعد پیدا ہوئے، اور عامی ہونے کے باوجود شاعری کی طرف

توجہ کی، اور اچھا خاصا ملکہ پیدا کر لیا، فارسکور میں بافندگی کرتے تھے۔

حافظ سخاوی نے ان کے بہت سے اشعار ان سے پڑھوا کر سنے اور لکھے ہیں، از انجملہ حلیمہ نامی کسی عورت کے باب میں ان کے یہ دو شعر نقل کئے ہیں۔

اقول لقلبیۃ ملکت فوادی[1]	طوال الدھر وھی بہ مقیمۃ
قتلت الصب بالھجران قالت	القتل بالجفا وانا حلیمۃ

(ضوء اللامع جلد ۵ ص ۲۵۸)

علی بن محمد الشمومی فارسکوری

تقریباً ۷۷۰ھ میں بمقام شموم (مصر) پیدا ہوئے، پھر کسی وقت فارسکور چلے گئے، اور وہیں قرآن پاک پڑھا، بافندگی کا پیشہ اختیار کیا، نہایت پر گو شاعر تھے، اور بہت دیندار، تلاوت اور روزہ کی بہت کثرت رکھتے تھے، لوگوں سے الگ تھلگ رہتے تھے، شادی نہیں کی، قاہرہ، دمیاط اور محلہ میں آمد و رفت رکھتے تھے، ابن فہد و بقاعی نے ۸۲۸ھ میں ان سے ملکر انکے یہ اشعار لکھے۔

اذا اسعفت بوصلکم اللیالی[2]	فلا خوف علی ولا ابالی
ولو ان الحشاء والقلب یصلی[3]	بنار الھجر لیس القلب سالی
نصیب القوم فازوا بالتملی[4]	انا الماسور فی سجن اشتغالی
ایا لیلی فخلی الطیف لیلا[5]	یزور الصب فی جنح اللیالی

---

[1] میں نے ایک حسینہ سے جو زندگی بھر کیلئے میرے دلکی مالک ہو گئی، کہا تو نے فراق میں عاشق کو مار ڈالا، تو اس نے کہا، تو ستم سے مرتا ہے جبکہ میں صبر کر رہا ہوں۔ (مسعود)

[2] اگر راتوں میں ترا وصل نصیب ہو جایا کرے تو مجھے کچھ پروا اور خوف نہیں۔ (مسعود)

[3] اگر دل فراق کی آگ میں جلتا رہے تو اس کو تسلی نہیں حاصل ہو سکتی۔ (مسعود)

[4] لوگ اپنے محبوبوں سے ملاقات میں کامیاب ہو گئے اور میں جیل کی کوٹھری میں مقید ہوں۔ (مسعود)

[5] تو اے لیلیٰ! خوابوں کو چھوڑ دیا کرو کہ رات کی تاریکی میں تیرے عاشق کی زیارت کرے۔ (مسعود)

عمر بن ابی بکر دمشقی المعروف بابن عثمانؒ

زین الدین عمر بن ابی بکر بن محمد بن عثمان حصنی الاصل، دمشقی شافعی صوات نزیل مکہ، تقریباً سنہ ۸۵۰ھ سے مکہ میں سکونت اختیار کر لی، پشمینہ بافی ذریعہ معاش تھا، ان کی نیک سیرتی کی حافظ سخاوی نے بہت تعریف کی ہے، سخاوی کا بیان ہے کہ انھوں نے مجھ سے صحیح بخاری سنی ہے، ان کے باپ دمشق میں امام عیدین اور بڑے صالح عالم شہاب بن الفراء کے رفیق درس تھے، وہ پہلے ریشمی کپڑا بنتے تھے، اور کبھی کبھی کاریگروں سے بنواتے تھے مگر شیخ تقی الدین حصنی کے مشورہ سے پشمینہ بننے لگے، (ضوء اللامع ص۹۴)

زین الدین کے لڑکے ابو بکر بن عمر بن ابی بکر بن محمد بن عثمان حلبی الاصل دمشقی المولد شافعی المذہب نزیل مکہ تقی الدین لقب اپنے والدین کے ساتھ بحالت شیر خوارگی مکہ آئے اور وہیں مقیم ہوئے۔ قرآن پاک پورا اور منہاج کا اکثر حصہ حفظ کیا، حافظ سخاوی کے پاس صحیحین کی قراءت اور سماعت کی، ان کے علاوہ شفا اور اذکار کی قراءت اور سماعت انھیں کے پاس کی، حافظ سخاوی فرماتے ہیں وہ بہت سنجیدہ لڑکا ہے، سنہ ۸۹۴ھ میں ان سے جدا ہوا، (ضوء ص ۶۳/۱۱) ان کے باپ اور دادا پشمینہ بافی کرتے تھے، جیسا کہ ان کے حال میں مذکور ہوا۔

عمر بن محمد حمصی شافعی

دمشق کے فضلاء میں ان کا شمار ہے، ... (فقہ شافعی) کا اکثر حصہ از بر تھا، بہت دیندار و صاحب خیر تھے، سخاوی نے لکھا ہے وتکسبہ من ازال معر بیدی ولبہا (ضوء اللامع ص۹)

عمر بن حسین زفتاوی

سراج الدین عمر بن حسین بن علی بن نجم بن خطاب بن سعید زفتاوی ثم القاہری المعروف بہ بلیانی، بڑے بزرگ شخص تھے، لوگوں کو ان سے بہت اعتقاد تھا، ابن حجر عمری اور مدنی سے صحبت رہی، قاہرہ میں قماش ازرق کے کارخانہ میں کام کرتے تھے، سخاوی لکھتے ہیں تعانی

المد ولاب فی القماش الازرق، ۸۰۸ھ میں وفات پائی (ضوء اللامع ص ۸۳/۶)

ان کے بیٹے احمد، محمد بن عمر اور عبدالقادر بن عمر بھی فضلاء میں ہیں، (ضوء)

شیخ عمر وفائی حائک

آٹھویں صدی کے اواخر اور نویں کے اوائل میں مسند ارشاد پر متمکن تھے، نہایت باکمال باخدا درویش تھے، اکابر وقت نے آپ کی صحبت سے فائدہ اٹھایا، انہیں میں ابو عبد اللہ محمد بن عمر غزی ہیں[1]، (دیکھو ضوء اللامع ص ۲۳۸/۱۲) شوکانی نے بھی ضمناً آپ کا ذکر کیا ہے، بدر طالع ص ۲۳۲/۲ میں شوکانی نے ابو عبد اللہ غزی مذکور کے حال میں لکھا ہے "وصحب غیر واحد من مشایخ الصوفیہ کالشیخ عمر الوفائی الحائک" یعنی غزی متعدد مشائخ صوفیہ کی صحبت میں رہے جیسے عمر وفائی حائک وغیرہ کی۔

عطا ازرق نساج

صاحب روایت وحدیث اور مشہور عابد وزاہد تھے، ان سے جعفر بن سلیمان اور مخلد بن الحسین نے روایت کی ہے، (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ص ۳۳۴/۳)

شیخ عبد الودود

نجم الدین غزی نے ان کو شیخ صالح، عابد زاہد کے الفاظ سے یاد کیا ہے، اور لکھا ہے کہ قاہرہ میں نواح قلعۃ الجبل مقیم تھے، اونی کپڑا بنتے تھے، اسی سے قوت حاصل کرتے تھے، سیدی محمد بن عنان ان کی زیارت کیلئے جایا کرتے تھے، صاحب مکاشفات تھے، اور ان سے انس عظیم تھا[2]، ۹۱۵ھ میں وفات پائی، (کواکب السائرہ ص ۲۵۷/۱) .... (شذرات ص ۸/۸)

---

[1] المتوفی ۸۳۹ھ

[2] شذرات کا لفظ وعلیہ انس عظیم ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ انہیں بڑی کشش اور مانوسیت تھی۔

قاضی عثمان حموی

فخر الدین قاضی عثمان بن یوسف حموی دمشقی شافعی ۶۴۵ھ میں پیدا ہوئے، علامہ مفلح حنبلی کے پاس حاوی صغیر کو حل کیا، پہلے کپڑا بنتے تھے، اس کے بعد بادمائیہ میں دربان ہو گئے، پھر قاضی القضاۃ شرف الدین بن عبد حنفی کی خدمت میں شہادت کا کام کرنے لگے، اور اس کے بعد قاضی شہاب الدین بن الفرفور نے نیابۃ الحکم کا کام ان کے سپرد کر دیا، ۷۳۱ھ میں وفات پائی (کواکب السائرہ ص ۲۶۱ ج ۱)

فقیہ مقری عبد الکریم بن اسمٰعیل

مدینہ جبار (یمن) کے قریب قریہ وجی (بفتح واو وکسر جیم) کے باشندہ تھے، ساتوں قرائتوں کے عالم تھے، اس فن کو حداد سے حاصل کیا تھا، اپنے وقت کے نیکوکار بزرگوں میں سے تھے، ان کے پاس جو شخص پڑھتا نفع پاتا تھا، اور ان کے پاس جو تحقیق کرتا پھر بھولتا نہیں تھا، ابتدا میں نساج تھے کپڑے بنتے تھے، طلبائے قرات ان کے پاس قرآن پڑھتے رہتے اور وہ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے، مگر ممکن نہیں تھا کہ طلبہ کی کسی غلطی پر ان کو تنبہ نہ ہو، بعد میں نساجی چھوڑ کر خیاطی کرنے لگے تھے، اپنے ہاتھ کی کمائی ہی ان کا ذریعۂ معاش رہی، کوئی ضعیفہ آجاتا تو اس کو ناکام واپس نہ کرتے تھے، خزرجی نے ان کو الفقیہ الصالح المقری کے الفاظ سے یاد کیا ہے، ۷۱۷ھ میں وفات پائی (العقود اللؤلؤیہ ص ۴۲۰ ج ۱)

علی بن عمر ابو الہول نساج

ابو الحسن علی بن عمر بن عبد الرحیم بن بدر اصلا جزری پھر صالحی تھے ۷۰۰ھ کے بعد پیدا ہوئے اور تقی سلیمان وغیرہ سے بہت ساری حدیثوں کی سماعت کی، اور پھر درس حدیث دیا، روایت حدیث میں کشادہ دل تھے، بہت حدیثیں سنائیں، ان سے سکری ابن العجمی اور ابن حجی وغیرہ بہتوں نے حدیث سنی، ربیع الاول ۷۹۰ھ میں نوے برس کی عمر میں وفات پائی (شذرات الذہب ص ۳۱۵ ج ۶)

ابن حجر نے ان کا ذکر الدرر الکامنہ میں کیا ہے اور ان کے مسموعات اور شیوخ حدیث کو کچھ تفصیل سے لکھا ہے اور کہا ہے کہ ان میں خیر اور محدثین کی محبت تھی (درر ص ۸۸ ج ۳)

علی بن الخبّاز

شیخ صالح نورالدین علی بن خباز بغدادی عاتکی اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے اعتابیہ کے قریب سوتی کپڑے بنتے تھے، اور ہر جمعہ کو ان کے یہاں ذاکرین کی ایک جماعت حاضر ہوتی تھی، اور سب مل کر بلند آواز سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مزار کے پاس جامع اموی (دمشق) میں ذکر کرتے تھے، سنہ ۹۱۱ھ میں انتقال ہوا (کواکب السائرہ صفحہ ۲۸۲)

عبداللہ بن علی ماحوزی

علی ماحوزی (ولی کامل) کے فرزند ہیں، جمال الدین لقب، سنہ ۸۲۰ھ کے بعد دمشق میں تولد ہوئے، وہیں نشوونما پائی، قرآن کریم یاد کیا، اس کے بعد تحصیل علم میں مشغول ہو کر درجۂ کمال کو پہنچے، سخاوی کا بیان ہے کہ ان کے دادا کا نام یوسف تھا، مگر ان کو بڑا ابتلا پیش آیا اس لئے ان کا لقب ایور پڑ گیا، عبداللہ مشہور عالم تھے، سخاوی نے لکھا ہے "نعم الرجل کان" بہت خوب آدمی تھے، سنہ ۸۹۵ھ میں وفات پائی (ضوء لامع)

علامہ سخاوی نے پانچ سطروں میں ان کے فضل وکمال، فصاحت وبلاغت، عفت وقناعت ریاست وثقاہت، خوش پوشی وتجمل، ظرافت وحسن صحبت وغیرہ کی تعریف کرنیکے بعد لکھا ہے کہ مجموعی طور پر ان اوصاف کا جامع انسان آنکھوں نے کم دیکھا ہوگا، وہ صاحب تصانیف بھی تھے ان کی بعض کتابوں پر شیخ ابن الہمام نے تقریظ بھی لکھی ہے، ان کے باپ علی ماحوزی با فیض بزرگ تھے۔

شیخ عبدالرزاق طائی

آپ کی زادبوم پٹن ہے، نورباف تھے، زہد وتقویٰ کا خلعت زیب بدن تھا، ناگاہ الٰہی جذبہ پیدا ہوا اور ایکبارگی خودداری جاتی رہی جو لباس بدن پر تھا پارہ پارہ کر دیا، اس کے بعد لوگ آپ کا ستر عورت سوائے کفن کے نہ کر سکے، ہجری سنہ کچھ اوپر ہزار میں آپ کی عمر کا زمانہ انجام کو پہونچ گیا، خوابگاہ بھی پٹن ہی ہے (گلزار ابرار صفحہ ۲۵۱)

علی بن ایوب ماحوزی

سخاوی نے انکی نسبت لکھا ہے الامام الربانی المجمع علی ولایتہ یعنی وہ امام ربانی جنکی ولایت پر اجماع ہے۔

دمشق میں قبر عاتکہ کے پاس سکونت تھی، خود اپنے ہاتھ سے کپڑا بنتے تھے، اور اس کو بہت اونچے دام پر فروخت کرتے تھے، یہی ذریعہ معاش تھا، کسی سے کوئی نذرانہ وغیرہ قبول نہ کرتے تھے، علم سے بہرہ وافی رکھتے تھے، نہایت خوش اخلاقی وکشادہ پیشانی سے پیش آتے تھے،

ابن حجی کا قول ہے کہ ہمارے زمانہ میں جو لوگ نیکی وبزرگی میں مشارالیہ ہیں ان میں سب سے بہتر وبرتر ماحوزی ہیں، سخاوی کا بیان ہے کہ لوگ ان کے بیحد معتقد تھے اور انکی کرامتیں اور کشف کثرت سے ذکر کرتے ہیں، سنہ میں وفات پائی (الضوء اللامع) ان کے صاحبزادہ عبداللہ کا ذکر اوپر گذرا۔

علی بن عبدالرحیم ارمنتی

صعید مصر کے باشندے اور شرقیہ وغیرہ کے قاضی تھے، کمال الدین لقب تھا، حافظ تقی الدین ابن دقیق العید کے معاصر تھے، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کان ابوہ حائکا بقوص یعنی ان کے باپ قصبۂ قوص میں جولاہگی کا کام کرتے تھے، ۷۰۶ھ میں وفات پائی، (درر کامنہ صہ ۶۱ ج ۳)

امام علی بن محمد سلیمی

علامہ شامی نے ان کا ذکر اسطرح کیا ہے الفقیہ المحدث المفسر احد الائمۃ الشیخ المعمر علی بن محمد بن علی بن سلیم الشافعی الدمشقی الصالحی الشہیر بالسلیمی (فقیہ، محدث، مفسر، امام علی بن محمد الخ) ۱۱۳۲ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، دمشق کے باشندہ تھے، شامی نے لکھا ہے کہ بڑے پرہیزگار تھے وکان یاکل من کسب یدہٖ فی حیاکۃ الخام[1]، خام (سوتی کپڑا) بنتے تھے اور اسی کی کمائی کھاتے تھے۔

---

[1] خام سوتی کپڑا، چھینٹ (لغات جدیدہ)

جب بہت معمر ہوگئے اور کام کرنے کے قابل نہ رہے تو یکسوئی کیساتھ عبادت میں مصروف ہوگئے، شامی کے استاذ شیخ محمد شاکر کے شیخ الحدیث تھے، ١٢٠٢ھ میں وفات پائی (عقود اللآلی)

مولانا عبدالوحید سنبھلی

سنبھل ضلع مراد آباد وطن تھا، مولانا غلام رسول امرتسری سے معقولات کی کتابیں پڑھی تھیں، نہایت جید عالم اور آزمودہ کار مدرس تھے، پہلے ایک مدت تک مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں درس دیتے رہے وہاں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مصنف اوجز المسالک، مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی مصنف الطیب الشذی و مدرس اعلیٰ مدرسہ فتحپوری دہلی مرحوم، مولانا محمد ادریس کاندھلوی مصنف التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ و صدر مدرس مدرسہ اشرفیہ لاہور (پاکستان) حضرت مولانا شاہ عبدالرحمٰن کامل پوری سابق صدر مدرس مظاہر علوم اور مولانا عبدالرحیم لکھنوی وغیرہم نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، اوجز المسالک کے مقدمہ میں شیخ الحدیث نے خود اپنی شاگردی کا اعتراف کیا ہے، اس کے بعد میرٹھ کے مدرسہ میں تعلیم دی وہاں جن لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا ان میں مولوی رضوان الرحمٰن سندیلوی مفتی اندور بھی ہیں، سب سے اخیر میں آپ نے دارالعلوم مئو میں تعلیم دی ہے، آپ کی وفات ١٣٥٥ھ میں بمقام سنبھل ہوئی، مولانا محمد حیات سنبھلی شیخ الحدیث مدرسہ حیات العلوم گویا ان کے جانشین ہیں، مدرسہ حیات العلوم کی تاسیس ان کا زندۂ جاوید کارنامہ ہے، وہ مولانا مرحوم کے بچوں کے ماموں بھی ہیں، دارالعلوم مئو میں جو لوگ حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے ان میں سب سے ممتاز مولانا قاری ریاست علی بحری آبادی مرحوم مدرس دارالعلوم تھے، قاری صاحب مدرس ہوکر مئو آئے پھر یہیں کے ہو رہے ١٣٩٢ھ میں وفات پائی، مئو میں مدفون ہیں، نماز جنازہ میں نے پڑھائی، قاری صاحب نے مجھ سے متعدد کتابیں پڑھی تھیں۔

مولانا حکیم عبداللہ صاحب مئوی

آپ مولانا عبدالحلیم لکھنوی کے شاگرد رشید تھے، رسڑا میں مولانا تراب علی صاحب لکھنوی صاحب سے بھی پڑھا تھا اسی زمانہ میں مولانا عبدالحق مہاجر مکی بھی رسڑا میں پڑھتے تھے، ١٢٨٦ھ میں جب آپ حج کے لئے گئے تو وہاں حضرت شاہ عبدالغنی مجددی سے حدیث کی سند لی، فراغ کے بعد آپ نے نگرا ضلع بلیا وغیرہ میں درس دیا، آپ سے مولانا عبدالغفار عراقی مئوی وغیرہ بکثرت علماء نے استفادہ کیا آپ نے

مولانا عبد الحلیم کے رسالہ العرفان کی شرح میں رسالہ عرفان العرفان لکھا ہے جو چھپ گیا ہے اور مولانا عبد الحی لکھنوی نے اس کا حوالہ دیا ہے، آپ بڑے عابد و زاہد اور کم گو تھے، جامع مسجد میں وعظ بھی کہا کرتے تھے، مولانا عبد الحق مہاجر مکی سے خط و کتابت رہتی تھی، مولانا کے تین خطوط کی نقلیں بخط حضرت مولانا عبد الغفار مئوی (جنکو انھوں نے اپنے استاد مولانا عبد اللہ صاحب کے پاس سے حاصل کیا تھا، ہم نے دیکھی ہیں ایک خط ۱۲۹۵ھ کا دوسرا ۱۲۹۶ھ کا اور تیسرا ۱۲۹۹ھ کا ہے ان خطوط میں مولانا مہاجر نے ان کو اس طرح یاد کیا ہے بجناب مستطاب مولانا مولوی حاجی محمد عبد اللہ صاحب عم فیضہ، بخدمت فیضدرجت جناب مولانا مولوی محمد عبد اللہ صاحب سلمہ اللہ و وقاہ، فیض مآب مولانا و بالفضل اولانا جناب مولانا مولوی حاجی حکیم عبد اللہ صاحب،

اور حضرت مولانا عبد الحی فرنگی محلی نے ۲۶ صفر ۱۲۹۸ھ کے ایک خط میں ان کو لکھا ہے بخدمت مکرمی جناب مولوی حکیم عبد اللہ صاحب دام لطفہ۔

حضرت شاہ عبد الغنی مجددی نے جو اجازت نامہ انکو مرحمت فرمایا تھا اس میں مرقوم ہے اما بعد[1] فقد وفد علی فی المدینۃ المنورۃ الفاضل الشیخ عبد اللہ وقرأ علی طرفا من اوائل صحیح البخاری وکذلک من اول جامع الحافظ ابی عیسی الترمذی۔

مولانا عبد اللہ نے ۱۳۲۱ھ میں وفات پائی مئو محلہ پیارے پورہ کے مغربی جانب باغ میں آپ کا مزار ہے، آپ کے پاس کتابوں کا ذخیرہ بہت اچھا تھا کچھ اب بھی ہے مگر مقفل بعد کی اطلاع یہ ہے کہ کچھ کتابیں خاندان کے کسی لڑکے نے فروخت کر ڈالیں اور باقی ادھر ادھر ہو گئیں بعض بعض کتابیں میں نے مدرسہ مفتاح العلوم میں داخل کرا دیں،

مولانا عبد اللہ کو حزب البحر کی اجازت مولانا سید جعفر علی نقوی بستوی (خلیفہ سید احمد بریلوی) سے حاصل تھی اور ان کو مولانا عبد القیوم بن مولانا عبد الحی بڈھانوی سے اجازت تھی، اجازت نامہ مدرسہ مفتاح العلوم میں محفوظ ہے،

مولانا عبد الواحد نولی ضلع غازیپور

مولانا عبد الواحد بن منشی نصیر الدین ساکن نولی ضلع غازی پور کی نسبت تحقیق نہیں ہو سکی کہ انھوں نے کہاں تعلیم پائی، اور کب فارغ ہوئے، لیکن غالباً ۱۳۳۲ھ تک وہ بقید حیات تھے سنا ہے کہ کانپور کے کسی مطبع میں مصحح تھے ۱۳۰۱ھ میں انھوں نے ایک کتاب تحفۃ الاتقیاء بفضائل سید الانبیاء (عربی) تصنیف کی، صحاح ستہ

[1] فاضل بزرگ عبد اللہ مدینہ منورہ میں میرے پاس آئے اور مجھ سے صحیح بخاری اور جامع ترمذی کے شروع کا کچھ حصہ پڑھا۔ (مسعود)

اور سنن دارمی وغیرہ سے فضائل کی حدیثیں مع نشان دہی ابواب جن میں وہ حدیثیں مذکور ہیں جمع کی ہیں، آیات کی نشاندہی بھی کی ہے نہایت مستند مجموعہ ہے، عربی میں اس کا حاشیہ بھی لکھا ہے اور بین السطور فارسی میں ترجمہ مگر مجتبائی دہلی کا چھپا ہوا جو نسخہ میں نے دیکھا ہے اس میں بین السطور اردو ترجمہ ہے معلوم نہیں وہ بھی مصنف کا ہے یا کسی دوسرے کا، یہ کتاب اور اس کے حواشی مولانا کے فضل وکمال اور فنون عربیت وحدیث میں ان کی مہارت پر دال ہیں، ٹونک میں ان کا کتب خانہ موجود ہے مگر کوئی پرسان حال نہیں ہے خاندان کے لوگ باہر ملازم ہیں اور انگریزی داں جن کو اس سے دلچسپی نہیں ہے،

عبدالرحمٰن بن معاویہ بن حُدیج

مصر کے قاضی اور محکمۂ پولیس کے اعلیٰ حاکم بھی تھے، حدیثوں کے راوی ہیں اصحاب ان کا ذکر رجال کی کتابوں میں ہے، ان کے والد معاویہ کو محمد بن ابی بکر نے یا ابن الیہودیۃ النساجہ کہکر خطاب کیا تھا، انکا سال وفات [1] ۹۵ھ ہے،

عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث

یہ اشعث بن قیس صحابی کے پوتے ہیں، بہت عالی حوصلہ اور نامور شخص ہیں، بنی امیہ کی حکومت سے جن لوگوں نے وقتاً فوقتاً ٹکر لی ہے ان میں ایک یہ بھی ہیں ان کے جھنڈے کے نیچے حضرت سعید بن جبیر اور امام شعبی جیسے اکابر اسلام نے حجاج کا مقابلہ کیا ہے، پہلے بنی امیہ کی طرف سے سجستان وغیرہ کے حاکم تھے بعد میں بصرہ وغیرہ کے خود مختار حاکم ہو گئے تھے ۸۳ھ میں دھوکے سے شہید کئے گئے، حالات وواقعات جنگ کی تفصیل کیلئے کامل ج۴ ص۱۹۲ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

البیان والتبیین للجاحظ ص۱۸۶ ج۱ میں ہے کہ مسلمہ بن عبدالملک کے پاس ایک شخص نے کہا مااستحيا من حائك كندة حتى جاء ناهذا المزونى (ابھی کندہ کے باشندہ نے ستانے بھی نہ پائے تھے کہ جبتک یہ مزونی آگیا کندہ کے حائک سے یہی عبدالرحمٰن بن محمد مراد ہیں جنھوں نے دولت امویہ کی چولیں ڈھیلی کر دی تھیں اور مزونی [2] سے مراد یزید بن المہلب ہے جس نے عبدالرحمٰن کے بعد بنی امیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور مسلمہ بن عبدالملک

---

[1] تقریب التہذیب میں ہے قتل بعد التسعین

[2] سرزمین عمان کو مزون کہتے تھے یزید بن المہلب کے دادا وہیں کے باشندہ تھے ۱۲ منہ

نے اس کا مقابلہ کر کے اس کو شکست دی اور سنہ ۱۰۲ھ میں یزید مارا گیا۔

بہرحال مسلمہ نے اس شخص کے جواب میں کہا کہ تم اس برے انداز میں اس شخص کا ذکر کر رہے ہو جس کے پاس قریش کی دونوں پارٹیاں (ایک خود مسلمہ جو عبدالملک کا بیٹا تھا اور دوسرا عباس جو عبدالملک کا پوتا تھا، اپنا معاملہ طے کرانے کیلئے گئی تھیں، یعنی عبدالرحمن کی وہ منزلت اور شان و شوکت تھی کہ شاھی خاندان کے افراد اپنا قضیہ ان کے پاس لیجاتے تھے، باقی رہا یزید تو اس نے ایک بڑی چیز کا تہیہ کیا اور عزت سے جان دی لہٰذا وہ بھی بہت بلند حوصلہ تھا۔

اور کامل ابن اثیر میں ہے کہ جب عمر بن موسی جو عبدالرحمن بن محمد کی فوج میں تھے گرفتار ہو کر آئے ہیں اور حجاج کے سامنے پیش ہوئے ہیں تو اس نے پہلے ان کو ان الفاظ میں سرزنش کی یا عبد المرأة القوم بالعمود علے راسك ابن الحائك یعنی ابن الاثیر (ص۹۵) اے جورو کے غلام، کیا تیرے سر پر باندہ کا لڑکا (ابن الاشعث) ڈنڈا لیکر کھڑا رہتا ہے۔

اس کے علاوہ ان کے دادا اشعث بن قیس کے حال میں معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت علی نے بار بار ان کی حیاکت کا ذکر کیا ہے۔

شیخ عبداللہ النعمہ موصلی

زمانۂ حال کے بہت ممتاز اور نہایت جید عالم ہیں، مولوی مسعود عالم ندوی نے جب عراق وغیرہ کا سفر کیا تھا تو ان سے زبیر یا موصل میں ملاقات کی تھی، اپنے سفرنامہ میں ان کا ذکر خیر کیا ہے اور ان کی بنائی کے ذکر کے ساتھ ان کے علم و عمل کو بہت سراہا ہے۔

ہمارے زمانہ کے مشہور و معروف عراقی عالم قادر الکلام خطیب شیخ محمود صواف جو اب مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں (اور جن کو میں نے مکہ میں بار بار دیکھا ہے، شیخ عبداللہ النعمۃ کے شاگرد رشید ہیں، صواف صاحب مقدمۂ دیوان الخطیب ص۱۰ پر رقم طراز ہیں۔

الامام علامة الموصل الاكبر المجدد الشيخ عبدالله النعمة، ولد سنة ۱۲۹۰ھ وكان والده يعمل فى الحياكة والنسيج	امام اکبر، علامہ موصل شیخ عبداللہ النعمۃ سنہ ۱۲۹۰ھ میں پیدا ہوئے، ان کے والد کپڑے کی بنائی کا کام کرتے تھے۔

وَاشتغل هو معها. وكانت لهذه الصناعة مكانة كبيرة فی الموصل امتازت بها هذه البلدة، واشتهرت بجودتها واتقانها.

شیخ عبداللہ نے بھی اپنے والد کا ساتھ دیا، دینی مشغلہ اختیار کیا موصل میں اس صنعت کا بڑا اونچا مقام تھا۔ اور اس شہر کو اس میں امتیاز حاصل تھا اور اس صنعت کی عمدگی، تفوق اور پختگی میں وہ شہرہ آفاق تھا۔

محمود صواف نے ان کی دینی و علمی خدمتوں کی تھوڑی تفصیل مقدمۂ دیوان الخطب میں بیان کی ہے اور ان کے اصلاحی کارناموں کی بنا پر ان کو مجدد کے لقب سے یاد کیا ہے۔

صواف صاحب نے ان کے خطبات جمعہ کو دیوان الخطب کے نام سے شائع کیا ہے۔

شیخ عبداللہ خامی

سخاوی نے لکھا ہے کہ قرافہ میں رہتے تھے اور وہیں بنائی کا کام کرتے تھے اس نے انکی ایک کرامت لکھی ہے، پھر لکھا ہے کہ آج تک ان کی کرامت ظاہر و باقی ہے.... (تحفۃ الاحباب ص۲۲۸)

شیخ ابوالقاسم عبدالرحمٰن خامی

ان کا بھی سخاوی نے تحفۃ الاحباب ص۲۲۸ میں ذکر کیا ہے۔

عبید بن محمد نساج

آپ محدث ہیں، احمد بن شیبہ سے روایت کرتے ہیں، اور آپ سے باغندی نے روایت کی ہے، اور محدث نباتی نے کہا کہ آپ مشہور نہیں (لسان المیزان ص۱۲۲)

عبید بن باب

آپ تابعی ثقہ ہیں، محدث ہیں، مگر کثیر الحدیث نہیں، ابن معین نے ان کی بابت فرمایا ہے لیس بشئی جس کا مطلب یہ ہے کہ کثیر الحدیث نہیں ہیں، ابن حبان نے کتاب الثقات میں آپ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے عبید بن باب الدوسی مولی ابی ھریرۃ عنہ ابن عون ۱ھ موصوف عمرو بن عبید معتزلی کے والد ہیں۔

اور یہ اوران کا لڑکا دونوں نساج تھے۔
حاشیہ مقامات میں ہے کہ[۱] ان ابوہ کان حائکا اور میزان میں ہے ان عمرو بن عبید[۲] کان نساجا
(میزان ذہبی ص ۲۹۷)

عبیداللہ بن عمرو بن عبید

میزان ذہبی میں عمرو کے ترجمہ میں ان کی روایت سے ایک حدیث اور ایک واقعہ منقول ہے، حدیث اپنے باپ اور ایوب سے سنی اور معمر کے شریک سماع تھے، اور ان کے ہمراہ بصرہ گئے اور وہاں ایوب سے حدیثیں سنیں، لکھنے والے کہتا ہے کہ ان کے باپ دادا نساج تھے۔

عمرو بن عبید راس المعتزلہ

یہ شخص پہلے حضرت حسن بصری سے بہت اختصاص رکھتا تھا اور اس کے عقائد بہت صحیح تھے، پھر ان کی مجلس سے علیحدہ ہوگیا اور قدریت اختیار کرکے دوسروں کو بھی دعوت دینے لگا، ابتدا میں حماد بن سلمہ حماد بن زید عبدالوارث یحییٰ بن سعید قطان عبدالوہاب ثقفی اور علی بن عاصم وغیرہ نے اس سے حدیثیں سنیں، بڑا محدث عابد زاہد تھا مگر صرف بدعت و دعوت قدریت کی وجہ سے متروک الحدیث ہوگیا۔
حسن بصری فرماتے تھے، عمرو بن عبید اگر مبتدع نہ ہوجاتا تو بڑا اچھا جوان تھا، ذہبی فرماتے ہیں منصور خلیفۂ عباسی اسکی زہد و عبادت کے سامنے سرجھکادیتے تھے اور فرماتے ہے

کلکم یطلب صید[۳] — کلکم یمشی روید غیر عمرو بن عبید

ابن قتیبہ نے معارف میں لکھا ہے کہ اسکی وفات کے بعد منصور نے ان اشعار میں اس کا مرثیہ لکھا ہے

صلی[۴] الالہ علیک من متوسد — قبرا مررت بہ علی مران

---

[۱] ان کے باپ بافندہ تھے [۲] عمرو بن عبید کپڑا بننے والے تھے۔ (مسعود)

[۳] تم میں سے ہر ایک شکار تلاش کرتا ہے اور ٹھہر کر چلتا ہے سوائے عمرو بن عبید کے۔ (مسعود)

[۴] اے مران کی اس قبر پر سونے والے جس پر میرا گذر ہوا، اللہ تیرے اوپر رحمت نازل فرمائے۔ (مسعود)

قبر[1] تضمن مومنا متحنفا — صدق الالہ ودان بالقرآن
وان[2] هذا الدهر ابقی صالحا — ابقی لنا حقا ابا عثمان

مکہ معظمہ کے راستہ میں ۱۴۲ھ یا ۱۴۳ھ میں وفات پائی۔

یعقوب نسوی نے کہا ہے ان عمرو بن عبید کان نساجا (یعنی عمرو بن عبید کپڑا بننے والے تھے) پہلے پہل اعتزال کا قائل واصل بن عطار غزال ہوا پھر عمرو بن عبید اس سے مل گیا۔ واصل کو بجد خوشی ہوئی یہاں تک کہ اپنی بہن سے عمرو کی شادی کردی اور بہن سے کہا میں نے ایسے شخص سے تیری شادی کی ہے جو خلافت کا مستحق ہے، بکثرت یہ کہا ہے کہ غزال و نساج دونوں کے پیشے قریب قریب ہیں اور شاید یہ دونوں پیشے نوربافوں ہی کے ہوتے تھے، اس کی تائید واصل وغیرہ کی اس نسبت سے بھی ہوتی ہے۔

عبدالرحمٰن بن عمر بن عبدالرحمٰن دمشقی نساج

آپ اپنے زمانہ میں بڑے جلیل القدر محدث تھے، حافظ ذہبی نے آپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے[3] "المسند الشیخ عبدالرحمٰن بن عمر بن عبدالرحمٰن الدمشقی النساج" آپ کی وفات ۳۲۶ھ میں ہوئی، افسوس کہ اس سے زیادہ آپ کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

علی بن محمد بن محمد الطرازی

(تذکرہ ص۳۵۴)

طرازی اسے کہتے ہیں جو مطرز (کپڑے کی ایک قسم ہے) بنتا ہو، آپ کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا، صرف اتنا معلوم ہوا کہ آپ محدث ہیں، شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل عبداللہ بن محمد نے آپ سے حدیثیں سنیں، شیخ الاسلام کی ولادت ۳۹۶ھ میں ہوئی ہے۔

---

[1] اس قبر میں ایک عبادت گزار مومن آرام فرما ہے جس نے خدا کی تصدیق کی اور قرآن پر ایمان لایا۔ (مسعود)

[2] اگر اس زمانے نے کسی نیک انسان کو باقی رکھا ہوتا تو ابو عثمان کو باقی رکھا ہوتا۔ (مسعود)

[3] مسند شیخ عبدالرحمٰن بن عمر بن عبدالرحمٰن دمشقی کپڑا بننے والے۔ (مسعود)

عبدالواحد بن محمد ابوالقاسم مطرز

آپ محدث ہیں، آپ سے عبیداللہ بن محمد بن حسین بن ناقیا نے حدیث سنی (جواھر صفحہ ۲۸۲)

عطاء سلمی

آپ سلیمان تیمی کے معاصر ہیں، انس بن مالک کا زمانہ بھی پایا ہے، حسن بصری وجعفر بن زید وعبداللہ بن غالب آپ کے مشہور اساتذہ ہیں جن سے حدیث اخذ کی، بڑے عابد و زاہد تھے۔ ذہبی کہتے ہیں عطاء[1] السلمی المشہور من کبار الخائفین بالبصرۃ آپ بھی نساج تھے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں لقد سمعت[2] بعض علمائنا بنیسابور حکی ان عطاء السلمی نسج ثوبًا فاحکمہ واحسنہ وحملہ الی السوق (منہاج العابدین) آپ کے خوف کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بحالت نزع آپ کے پاس پہونچے اور سرد سانس لی اور رونے لگے، آپنے سبب پوچھا وہ بولے آپ کی یہ حالت دیکھ کر دل بھر آیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ بولے کہ مجھے یہی بہت زیادہ محبوب ہے کہ قیامت تک سانس گلے میں اٹکی رہے کیونکہ مجھے خوف ہے کہ سانس نکلنے کے بعد کہیں آتش جہنم کا سامنا ہو (میزان الاعتدال صفحہ ۱۸۱ ج ۲)

عبدالملک بن ابی بکر موصلی

دمشق میں پیدا ہوئے وہیں نشوونما پائی اور پہلے اپنے والد کی خدمت میں تحصیل علم میں مشغول ہوئے اس کے بعد بیت المقدس جاکر ابن الناصح وغیرہ کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے، انھوں نے ایک رسالہ فقہ میں اور ایک تصوف میں تصنیف کیا ہے ان کے ایک نعتیہ قصیدہ کا مطلع ہے۔

انخ[3] بطیبۃ وانظم اطیب الکلم　　وانزل بہا تم یمم سید الامم (الضوء صفحہ ۳)

---

[1] عطار سلمی بصرہ کے مشہور خدا ترس لوگوں میں تھے۔ (مسعود)

[2] میں نے نیساپور کے ایک عالم سے سنا ہے کہ عطار سلمی نے ایک کپڑا بنا اور اس کو انتہائی پائیدار اور عمدہ بننے کے بعد بازار لے گئے۔ (مسعود)

[3] طیبہ کے اندر نثر و نظم کے بہترین کلمات کہو۔ وہاں پڑاؤ کر کے پھر سید الامم کا قصد کرو۔ (مسعود)

انھوں نے ابن ناصف کی سیرۃ مؤیدیہ پر تقریظ لکھی ہے، اکابر وقت نے ان سے استفادہ کیا ہے زائرین، مستفیدین اور سفارش کرانے والوں کی ان کے پاس بھیڑ لگی رہتی تھی، مشہور شافعی فقیہ و محدث ابن رسلان ان کا بہت احترام کرتے تھے اور جو شخص مرید ہونے کیلئے پیر کے انتخاب میں ان سے مشورہ لیتا تھا اس کو انھیں کے پاس بھیجتے تھے،

انھوں نے متعدد حج کئے تھے سنہ ۸۴۲ھ میں بیت المقدس میں انتقال کیا اور اپنے والد کے پاس مدفون ہوئے (سخاوی) ان کے والد کے حال میں پڑھ چکے ہو کہ وہ کپڑا بنتے تھے، حافظ ابن حجر نے ان کے والد کے بعض حالات ان کی زبانی سنے ہیں۔

عبدالقادر بن ابراہیم بن ابی بکر موصلی

ولی کبیر عارف باللہ ابو بکر موصلی کے پوتے تھے، سخاوی نے انکے دادا کو القدوۃ الکبیر اور انکے والد کو القدوہ لکھا ہے، ۸۰۳ھ میں پیدا ہوئے اور عائشہ بنت عبدالہادی کے پاس صحیح بخاری اور ثلاثیات داری کی سماعت کی، اور مدینہ منورہ میں ابو عبداللہ محمد مغربی سے بھی حدیثیں سنیں لوگوں کو حدیثیں سناتے تھے اور سلوک و تصوف میں اپنے والد کے جانشین تھے، سخاوی فرماتے ہیں کہ وہ بہت اچھے لوگوں میں تھے مجھ کو بھی انہوں نے اپنے مسموعات کی اجازت دی تھی، محرم ۸۹۲ھ میں ان کا انتقال ہوا، (سخاوی) انکے دادا کپڑا بنتے تھے جیسا کہ ان کے حال میں ذکر کیا گیا ہے۔

عمری

الضوء اللامع میں متعدد علماء و اعیان کو عمری کے لقب سے ذکر کیا گیا ہے، اور اس لقب کی وجہ خود مصنف نے یہ بیان کی کہ عمر بناتے تھے اور یہی ذریعۂ معاش تھا، اس لئے عمری کہلانے لگے (دیکھو صفحہ ۱۲۹/۲ نسبۃ لعمل العمر... یتکسب بالعمر.... اور صفحہ ۵۳/۴۶ میں ہے کہ اجتہاد فی عمل العمر و بیعہا مرتفقا بذلک فی معیشتہ (عبدالرحمن راجہ) اور منجد میں ہے کہ عمر اس رومال کو کہتے ہیں جو شریف عورتیں اپنے سر پر ڈالتی ہیں، لہٰذا عمری کے معنی یہی رومال بننے والے ہوئے، اس لحاظ سے ہر وہ شخص جو عمری کے لقب سے ضوء لامع وغیرہ میں مذکور ہے، بافندہ ہے، اسی طرح بہت سے لوگوں کے ذکر میں ہے کہ صناعت حریران کا ذریعۂ معاش تھا، یا وہ ریشم کا چرخہ چلاتے تھے، (دیکھو ضوء لامع صفحہ ۱۹۲/۲ اور تکسب من صناعۃ الحریر (صفحہ ۵۲/۴ عبدالرحمن طنتدائی) و صفحہ ۲۴۰/۴ و صفحہ ۲۵۶/۴ وغیرہ) ان سب لوگوں کی نسبت میرا ظن غالب ہے کہ وہ بافندے تھے،

مولوی حافظ غلام محمد سورتی

قوم کے بوہرہ تھے، تحصیل علم کیلئے لکھنؤ کا سفر کیا اور ملا نظام الدین کے شاگردوں کے حلقہ میں شامل
ہوئے، لکھنؤ سے مرادآباد اور وہاں سے برہان پور گئے اور علم ظاہر و باطن سے ایک عالم کو فیض پہونچایا، ساری
عمر بافندگی کر کے قوت حاصل کرتے تھے۔ اغنیائے وقت ان سے نیازمندانہ تعلقات رکھتے تھے اپنا یہ
پیشہ اختیار کرنے میں ان کو شرم نہیں آتی تھی۔ ان کے بیٹے شاہ ولی اللہ محدث سورتی کا ذکر آگے آئے گا،
بارہویں صدی میں تھے (بحر زخار صفحہ ۲۹۶ اور بحر زخار صفحہ ۲۶۱۵ میں ہے کہ حضرت حافظ غلام محمد ساکن گجرات
قوم کے بوہرہ تھے بافندگی سے لقمۂ حلال حاصل کرتے تھے، حفظ قرآن کے بعد تحصیل علم ظاہر کی کوشش کی
چند کتابیں باقی تھیں کہ ملا نظام الدین کا شہرہ سن کر لکھنؤ آئے اور فراغت حاصل کی خانوادہ بیعت
اور انکے مرشد کا نام معلوم نہیں ہو سکا، حافظ محمد فاضل لکھنوی (جنھوں نے حفظ قرآن اور فن قرأت کی تحصیل
ان سے کی تھی) فرماتے تھے کہ بڑے مرتاض عابد و زاہد اور شاغل و کاسب تھے ہر روز نماز میں بارہ پارے
قرآن مجید کے پڑھتے تھے اور اس پر مداومت کرتے تھے، عبادت کے شوق میں رات کو تین لقمے سے زیادہ
نہیں کھاتے تھے اور شب و روز یاد الٰہی میں مصروف رہتے تھے، چند سالوں کے بعد وطن واپس ہو رہے تھے کہ
برہان پور پہونچکر اپنی والدہ کی وفات کی خبر سنی پھر گجرات کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنی بی بی کو وہیں بلا کر مقیم
ہو گئے، شیوخ لکھنؤ میں سے شیخ غلام سرور حج سے واپسی میں آپ سے برہان پور میں ملے تھے، انھوں نے ان کے
جود و احسان و سخاوت کے جو واقعات بیان کئے وہ ان کے کمال ولایت پر صراحتًہ دلالت کرتے ہیں
ان کا بیان ہے کہ میرے سامنے ایک شخص نے سات ہزار روپیہ نذرانہ بھیجی انھوں نے اس میں سے صرف
چالیس روپے اپنی بی بی کو دئیے باقی سب محتاجوں اور غریبوں پر خرچ کر دیا، اور میں نے
سنا ہے کہ ایک دن فتوح میں ایک لاکھ روپئے حاصل ہوئے اس کو بھی اسی طرح محتاجوں پر
خرچ کر ڈالا، مہمان نوازی میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، بے انتہا خوشدلی اور مسرت سے مہمانوں کی
خدمت کرتے تھے اور خود سوائے چند لقموں کے (جو اوپر لکھے گئے) اور موٹے جھوٹے کپڑوں کے
کسی چیز سے کچھ واسطہ نہیں رکھتے، اس دیار کے لوگ ان کی ولایت کے معتقد ہیں۔
اور حقیقت السورت میں مذکور ہے کہ مولانا غلام محمد برہان پوری احمد آباد میں پیدا ہوئے،

تحصیل علوم کے بعد پورب جاکر ملک العلماء مولانا نظام الدین پوربی کی خدمت میں تکمیل علوم کی، سورت میں علم قرات انھیں کا فیض ہے، قادری سلسلہ میں شیخ حبیب اللہ کے خلیفہ تھے، اس کے بعد غوث اعظم تک پورا سلسلہ درج ہے، پورب (لکھنؤ) سے شاہ جہاں آباد (دہلی) گئے، محمد انور خاں اس زمانہ میں بادشاہ دہلی کیطرف سے برہان پور کے صوبہ دار مقرر ہوئے وہ مولانا غلام محمد کے معتقد تھے اس لئے انکو اپنے ہمراہ برہان پور لائے اور ایک عالی شان مدرسہ اور خانقاہ تعمیر کرا کے ۲۶ ہزار روپیہ سالانہ مدرسہ و خانقاہ کے خرچ کیلئے مقرر کردیئے، جب نواب نظام الملک آصفجاہ فتح جنگ بہادر کے قبضہ میں برہان پور آیا تو مولانا غلام محمد ان کی ملاقات کو نہیں گئے اس لئے وظیفہ بند ہوگیا، مگر انور خاں کی سفارش سے پھر بحال ہوگیا جب عمال حکومت نے قبض الوصول پر ان کا دستخط و مہر طلب کیا تو فاضل سورتی نے جو مولانا کے گویا مدارالمہام تھے مہر کندہ کراکے پیش کی ا نھوں نے مہر توڑدی اور کہا کہ فقیر گمنام ہے مہر کی ضرورت نہیں ہے۔

برہان پور میں میاںجی سوداگر بھی ان کے بڑے عقیدت مند و خدمت گذار تھے، جب وفات کا وقت آیا مولانا نے میاںجی سوداگر سے کہا کہ میرے مرنے کے تین دن بعد تمام ساز و سامان لیکر سورت چلے جائیں، وفات کے بعد میاں جی سوداگر نے ایسا ہی کیا تھوڑے ہی دنوں بعد مرہٹوں نے برہان پور کو لوٹا اور تاجروں کا بہت مال و اسباب برباد ہوا، مولانا کی وفات ۱۱۴۹ھ میں ہوئی (ص۸۶ تا ص۸۶) حقیقت السورت میں جو سن وفات چھپا ہے غالباً صحیح نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ ۱۱۶۹ھ یا ۱۱۷۹ھ ہوگا

حضرت میر شاہ عبداللہ لاہوری اور شاہ فاضل سورتی آپ کے تلامذہ میں ہیں، ان دونوں حضرات کا حال حقیقت السورت ص۵۳ و ص۶۲ میں ملاحظہ کیجئے، شاہ عبداللہ کی وفات ۱۲۰۷ھ میں اور شاہ فاضل کی وفات ۱۱۹۹ھ میں ہوئی، دونوں سورت میں مدفون ہیں۔

مولانا غلام محمد سورتی

مولانا ولی اللہ سورتی کے صاحبزادہ اور مولانا غلام محمد برہان پوری کے پوتے تھے، عالم دین اور عارف خدا تھے، اپنے والد کے بعد ان کی فیض رسانی کے سلسلہ کو جاری رکھا اور ساری عمر یاد الٰہی میں بسر کی، ۱۲۳۶ھ میں وفات پائی، اپنے والد کے پہلو میں سیدی عنبر کی مسجد میں مدفون ہیں (حقیقۃ السورت ص۶۸)

مولانا غلام احمد المعروف بہ خوب میاں

آپ مولانا ولی اللہ سورتی کے پوتے اور مولانا غلام محمد سورتی کے بیٹے تھے، اپنے والد کے بعد درس و تدریس اور ہدایت خلائق میں مصروف تھے، حقیقت السورت کا مصنف لکھتا ہے "بجمیع صفات فضائل صوری و معنوی وحید زماں و بحسن اخلاق حمیدہ سعید دوراں اند" یعنی تمام فضائل ظاہری و باطنی میں یکتائے روزگار اور اخلاق حمیدہ میں سعید زمانہ ہیں، آپ کی وفات ۱۲۴۸ھ میں ہوئی، اپنے والد کے پاس مدفون ہیں (حقیقت السورت ص۵۳)

حافظ محمد فاضل لکھنوی

لکھنؤ کے محلہ تکیہ محلہ کے باشندہ تھے، حافظ غلام محمد سورتی اپنی کم عمری میں تحصیل علم کیلئے لکھنؤ آئے اور ملا نظام الدین سہالوی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے، حافظ محمد فاضل نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن پاک حفظ کیا اور قراءت سیکھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انکی قرأت میں ایسی مقبولیت عطا فرمائی تھی کہ سننے والا بے تاب ہو جاتا تھا، ایک دن بیٹے (صاحب بحر زخار) سوال کیا کہ تمام عمر میں کتنا قرآن آپنے پڑھا ہوگا۔ اور آپ بیعت کہاں ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ آج تک کہ ۱۲۰۰ھ ہے پانچ ہزار ختم قرآن پاک کا کئے ہیں، اور تین سو ختم تراویح میں کئے ہوں گے بلکہ کچھ سوا اسلئے کہ تراویح میں جتنا پڑھنا ہوتا تھا اتنا پہلے ایکبار دن میں پڑھ لیا کرتا تھا۔ ایک دن قدرۃ العارفین (غالباً صاحب بحر زخار کے والد) نے فرمایا کہ فقیر کے تکیہ کی مسجد میں رمضان المبارک کے پہلے عشرہ میں چالیس سال سے متواتر ایک ختم حافظ محمد فاضل پڑھتے ہیں، کبھی کبھی علیٰ حالتِ قرأت میں حافظ صاحب پر ایسی حالت طاری ہو جاتی تھی کہ آپے سے باہر ہو جاتے تھے، ان کی قرأت کی صدا آوازۂ غیب معلوم ہوتی ہے جو ان کی زبان سے سنائی دیتی ہے، اور بیعت کے معاملہ میں یہ معلوم ہوا کہ وہ اویسی ہیں، حضرت شاہ عبد الجلیل لکھنوی کی روح سے بطریق اویسیت فیض پایا ہے۔ ایک دن حضرت مولوی غلام یحییٰ خلیفہ شاہ ہد عالم (خلیفۂ مرزا مظہر جان جاناں) نے فرمایا کہ ایک رات فقیر کو سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں حضوری کا شرف حاصل ہوا، ایک شخص نے اس مجلس میں حافظ محمد فاضل کا ذکر کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

سنکر فرمایا کر ہمارا حافظ محمد فاضل ! مابین ۱۲۰۱ھ و ۱۳۰۲ھ بقید حیات تھے (تعمیر حیات صہ ۲۳۱۹)

مولانا فیض اللہ مئوی

آپ کا وطن مئو (ضلع اعظم گڑھ) تھا مولانا سخاوت علی جونپوری کے شاگرد رشید تھے مولانا عبدالحلیم لکھنوی سے بھی تلمذ تھا، آپکا وعظ بہت مؤثر تھا، اعظم گڑھ، علی گنج، سیوان اور داناپور، پٹنہ میں درس دیا، مولانا شبلی نعمانی نے اعظم گڑھ میں عربی کی کچھ کتابیں آپ سے پڑھیں (سیرت شبلی صہ ۲۲) مولانا ابوالحسنات، عبدالغفور داناپوری اور ملا حسام الدین مئوی اور بہت سے علما آپ کے شاگرد تھے، مولانا محمد یعقوب برادر حضرت شاہ محمد اسحق دہلوی سے بیعت و اجازت حاصل تھی، بڑے صاحب باطن تھے، مولانا سلیمان شاہ پھلواروی کی سوانح عمری "خاتم سلیمانی" میں مذکور ہے کہ "لطائف ستہ کی تکمیل تعلیم حضرت (مولانا شاہ سلیمان) کو چھپرہ میں جناب مولانا فیض اللہ صاحب مئوی نقشبندی سے ہوئی، جناب مولانا اپنے کمالات باطنی کو ایسا مخفی رکھتے تھے کہ بہت کم لوگوں کو آپ کے کمالات باطنی کی خبر ہو سکی آپ نے ہمارے حضرت کو تمام اوراد و اشغال القول الجمیل اور الانتباہ کی اجازت مرحمت فرمائی، آپ کو حضرت شاہ محمد یعقوب سے اجازت تھی اور ان کو اپنے نانا حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے (صہ ۱۴۰) مولانا فیض اللہ کے لڑکے مولوی محمد علی ابوالمکارم زبردست عالم اور حاذق طبیب تھے، اور بہت سے رسالوں کے مصنف تھے، ان کا ایجاد کیا ہوا دعوت اکبر آج بھی سارے ہندوستان میں مشہور ہے۔

مولانا فیض اللہ کی وفات ۱۲ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ میں بمقام داناپور ہوئی اور وہیں سپرد خاک ہوئے، حضرت شاہ محمد یعقوبؒ نے ایک خط ۲ محرم ۱۲۸۰ھ کو مکہ معظمہ سے مولانا کے نام لکھا ہے اسکی نقل بخط مولوی قائم علی عباسی مئوی میں نے دیکھی ہے اس میں شاہ صاحبؒ نے ان کو اس طرح خطاب کیا ہے مولوی صاحب عالی مراتب والا مناقب مولوی محمد فیض اللہ صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ" ایک خط سے جو انہوں نے ۱۲۸۹ھ میں مولانا فیض اللہ، مولوی قاضی احمد کے نام لکھا ہے اور اس میں حضرت خواجہ سید احمد صاحب کے وفات کی اطلاع دی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے تعلقات خواجہ صاحب سے بھی تھے۔

فتیان ابوالسخاء الحلبی نحوی با فندہ

قفطی نے کہا ہے عوام حلب سے ہیں، اپنے شہر کے اساتذہ کے پاس نحو پڑھی، پھر فرنجیوں کے ہاتھ سے حلب کی بربادی و ویرانی کی وجہ سے بہت دنوں تک وہاں کوئی اس فن کا جاننے والا نہ رہا تو لوگوں نے انھیں سے نحو پڑھی، ان کے تلامذہ میں سے ابن یعیش بھی ہیں، الغرض نحو کے امام نہ تھے اس فن کی کافی معرفت البتہ تھی، ۵۶۰ھ کے حدود میں انتقال کیا۔ واضح ہو کہ حلب کی بربادی کی تاریخ ۵۱۸ھ ہے (بغیۃ الوعاۃ ۳۸۱)

فرقد بن یعقوب سبخی

آپ کی حدیثیں سنن ترمذی و ابن ماجہ میں ہیں، آپ کا مطول تذکرہ تہذیب التہذیب میں ہے اور تقریب میں حافظ ابن حجر نے آپ کے متعلق فرمایا ہے "صدوق عابد" بڑے سچے عبادت گذار ہیں اور امام احمد نے فرمایا "رجل صالح" ابن معین نے فرمایا "ثقۃ" اور ذہبی نے کہا احد زھاد البصرۃ یعنی بصرہ کے زاہدوں میں سے ہیں، حضرت انس و مرۃ الطیب و سعید بن جبیر سے شرف تلمذ حاصل ہے، اور آپ سے حماد بن زید و حماد بن سلمہ و جعفر بن سلیمان نے حدیث اخذ کی، مغیرہ نے کہا[۱] اول من دلنا علی ابراھیم فرقد السبخی وکان حائکا، ۱۳۱ھ میں وفات پائی۔

قاسم درویش

ہالہ کنڈی (سندھ) کے رہنے والے تھے، اور مخدوم نوح سندی سے بیعت تھے، صاحب تحفۃ الکرام نے سندھ کے مشاہیر اولیا کے سلسلہ میں آپ کا ذکر کیا ہے۔ لکھتا ہے "حرفتش[۲] جولاہی بود اما بفیض تربیت حضرت مخدوم نوح از کارگاہ آگہی بہرۂ وافی بردہ، واقف تار پود حقیقت برآمد" (ص ۱۵۱)

مخدوم نوح کی وفات ۹۹۸ھ میں ہوئی۔

شاہ قادر علی لکھنوی

شاہ غلام آفاق لکھنوی کے فرزند اور شاہ معصوم کے مرید و خلیفہ تھے جب شاہ معصوم کے

---

۱ ابراہیم تک سب سے پہلے جس نے ہماری رہنمائی کی وہ فرقد سبخی ہیں اور وہ حائک تھے۔ (مسعود)

۲ ان کا پیشہ جولاہہ گیری تھا، حضرت مخدوم نوح کی تربیت سے علم و معرفت کا وافر حصہ پایا اور حقیقت کے تار و پود کو آراستہ کیا۔

سجادہ نشین ہوئے بننے کا کام چھوڑ کر متوکلانہ زندگی اختیار کی صاحب بحر زخار لکھتے ہیں کہ نہایت عزت و توکل و صلاح و تقوی کیساتھ آج بھی موجود ہیں (یعنی سنہ ۱۲۱۲ تا سنہ ۱۲۲۰ میں (الجوہر نخار ص۲۵۲)

مولانا حاجی حکیم قادر بخش سہسرامی

ابن مولوی حکیم حسن علی سہسرام ضلع شاہ آباد میں سنہ ۱۲۶۸ میں پیدا ہوئے، اپنے والد ماجد و مولوی شاہ احمد حسین سہسرامی، اور مولوی قاضی حکیم نور الحسین حیدر علی گھاٹی ضلع گیا و حضرت مولانا حاجی قاری عبد الرحمن پانی پتی و مولوی سید عین الدین کڑوی مدرس مدرسہ مرزا پور و حضرت مولانا عبد الحی فرنگی محلی مولانا محمد نعیم فرنگی محلی و حضرت شاہ فضل رحمن صاحب گنج مراد آبادی و مولانا سید احمد دحلان مکی اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر و مولانا حبیب الرحمن ردولوی ثم المدنی سے تمام علوم عربیہ و فارسیہ، طب، فقہ و حدیث و حکمت و منطق و تصوف کی تحصیل کی مدتوں ریاست کھگڑہ ضلع پورنیہ ڈاکخانہ کشن گنج میں تدریس و تذکیر و مطب اور امامت جمعہ و عیدین کے شغل میں رہے، مندرجہ ذیل کتابوں کے مصنف ہیں۔

التقریر المعقول فی فضل الصحابۃ و اھل بیت الرسول، اربعین فی اشاعۃ مراسم الدین۔ ضرب قاہرہ برگردن واعظ فاجر۔ رفع الارتیاب عن المغترین لثبوت الانساب۔ غایۃ المقال فی رؤیۃ الھلال۔ تحفۃ الاتقیاء فی فضائل ال عبا وجواھر الاشقیا علی ریحانۃ سید الانبیاء۔

مولانا محمد ادریس نگرامی لکھتے ہیں کہ میرے مطالعہ میں رسالہ تقریر معقول گذرا ہے فی الواقع بہت محقق و مدلل ہے (تذکرہ علمائے حال ص۷۶) مولانا سہسرامی کی وفات ۱۲ رجب سنہ ۱۳۳۲ھ بمقام سہسرام ہوئی۔ اخیر عمر میں مولانا کا قیام اکثر بنارس میں رہتا تھا، ان کا وعظ بے نظیر تھا، حافظہ اسقدر قوی تھا کہ احیاء العلوم کی عبارتیں، صحیح بخاری کی حدیثیں متن و سند کے ساتھ اور منطق الطیر و مثنوی مولانا روم کے اشعار صفحہ دو صفحہ وعظوں میں پڑھتے چلے جاتے تھے، جو چیز ایک دفعہ دیکھ لیتے تھے وہ یاد ہو جاتی تھی، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے بیعت تھے[1]، میں نے بنارس میں ان کے وعظ بہت سنے ہیں۔

سائیں قطب شاہ لاہوری

(از حدیقۃ الاولیاء)

یہ بزرگ شیخ غلام حسین کا مرید تھا، حصول قوت حلال کیواسطے جولاہوں کا کام کرتا تھا، اگرچہ فقیر تھا۔

---

[1] حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو خلافت بھی حاصل تھی (امداد المشتاق ص۱۱۱ بحوالہ المآثر)

مگر ہرگز ہرگز مجمع نہ رکھتا تھا، طبیعت اس کی باطنی عبادت اور ریاضت کیطرف بہت مائل تھی، کم بولتا اور کم کھاتا اور لوگوں سے کم ملتا زبان سے جو کہتا اکثر اوقات وقوع میں آجاتا، چنانچہ مؤلف کتاب (مفتی غلام سرور لاہوری) کے دو فرزند غلام صفدر و اکبر آنکھوں کے عارضہ سے سخت بیمار ہو گئے اور بیماری دو سال تک درازی کھینچ گئی آخر ایک دوست کے کہنے سے بندہ ایک آثار قند سیاہ اور ایک پاؤ تیل لیکر حاضر ہوا لڑکوں کی حالت دیکھ کر حضرت نے افسوس کیا اور دست مبارک ان کے منہ پر پھیر کر کہا کہ اب طبیب کا علاج نہ کرنا یہ کہکر رخصت کیا دوسرے روز لڑکوں کی آنکھوں سے علامات بہتی رہی اور یہی حال دوسری رات کو رہا تیسرے روز جب لڑکے صبح کو سوئے ہوئے اٹھے بالکل تندرست تھے گویا کبھی ان کو آنکھوں کا عارضہ نہ تھا، یہ حضرت ۱۲۹۰ھ میں فوت ہو گئے اور موضع کھوئی میراں میں دفنائے گئے۔ (حدیقۃ الاولیاء ص ۱۲۹، ۱۳۰)

قاسم بن زکریا بن یحیٰ ابوبکر بغدادی مطرز

آپ بڑے بلند پایہ حافظ حدیث وقاری جید ہیں، حافظ ذہبی نے آپ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے اور ان الفاظ میں آپ کو یاد کیا ہے المطرز الحافظ الثقۃ المقری ابوالقاسم الخ عمران بن موسیٰ قزاز، سوید بن سعید، محمد بن صباح، ابو ہمام سکونی، اسحٰق بن موسیٰ انصاری، مجاہد بن موسیٰ اور ابو کریب وغیرہم سے حدیث سنی، اور ابو حمدون طیب و ابو عمرو دوری سے قراءت سیکھی آپ سے ابوالحسین بن المنادی جعفر خلدی وجعابی و ابوبکر شافعی و عبدالعزیز بن جعفر و محمد بن المظفر و ابو حفص بن الزیات وغیرہم نے حدیث کی روایت کی، خطیب بغدادی نے کہا [1] کان ثقۃ ثبتاً اور دارقطنی نے کہا قاسم المطرز مصنف مقرئ نبیل [2]، اور ابن منادی نے کہا [3] کان من اھل الحدیث والصدق والمکثرین فی تصنیف المسند والابواب والرجال اھ حافظ ذہبی نے آپ کی سند سے ایک حدیث نقل کی ہے۔ ۱۷ صفر ۳۰۵ھ میں انتقال کیا (تذکرہ ج ۲ ص ۲۵۶)

(تنبیہ لہ) مطرز بکسر الراء اس شخص کو کہتے ہیں جو مطرز کپڑے بناتا ہو (تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۴۲۳) (ولیاً) لغت کی کتابوں میں ہے کہ رنگین دھاگوں سے پھول بوٹے اور تصویریں بنا کر کپڑے کو خوشنما بنانے کا نام تطریز ہے، اور طراز اس کارخانہ یا فیکٹری کو کہتے ہیں جہاں اعلیٰ درجہ کے نفیس کپڑے بنے جاتے ہیں۔

---

[1] ثقہ اور ثبت تھے۔ [2] قاسم مطرز ذی قراءت کے اچھے استاذ اور مصنف تھے۔ (مسعود)

[3] حدیث کے عالم، سچے، اور مسند اور ابواب ورجال کے بسیار نویسوں میں تھے۔ (مسعود)

قزاز

۱۔ محمد بن ابراہیم دارقزی قزاز محدث تھے اور حافظ منذری کے شیخ اجازت ۶۱۶ھ میں وفات پائی (تکملہ ۵ ص۱۵۹) ۲۔ نصراللہ بن عبدالرحمٰن بن محمد قزاز، ابوالسعادات کنیت، بکثرت لوگوں نے ان سے سماع حدیث کیا ہے، حافظ منذری کے استاذوں کے استاذ تھے ان کا لقب مسند بغداد تھا، تمام لوگ ان سے حدیث کی سندیں درست کرتے تھے، ان کے دادا ابو غالب قزاز بھی محدث تھے۔ نصراللہ کی وفات ۵۸۳ھ میں ہوئی۔ (شذرات الذہب ص۲۷۶) حافظ منذری نے ابوالسعادات کا سن وفات ۶۸۳ھ لکھا ہے، اور الشیخ الاصیل ابوالسعادات کے الفاظ سے ان کو یاد کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ان کا خاندان خانوادہ حدیث تھا خود انہوں نے اور ان کے والدین نے ان کے دادا اور دادی نے، ان کے چچا اور ان کے والد کے دو چچا اور ان کے فرزند نے حدیثیں سنائی ہیں اور لوگوں کو سندیں عطا کی ہیں (تکملہ منذری ص۹۴) حافظ منذری نے بار بار قزاز کے وصف کے ساتھ ان کا نام لیا ہے۔

ابو غالب قزاز

محمد بن عبدالاحد بن الحسن معروف بابن زریق بہت بڑے محدث اور قاری تھے، ابو منصور قزاز کے والد اور نصراللہ مذکور کے دادا تھے برمکی، قزوینی، غناری، اور جوہری سے حدیث کی سماعت کی، جن لوگوں نے ان سے حدیثیں سنیں اور روایت کی، ان کا شمار نہیں، ابن الجوزی نے منتظم میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ وہ ثقہ تھے۔ (۱۷۹/۹) سمعانی نے بھی انساب میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کی وفات ۵۳۵ھ میں ہوئی، اور ان کو مشہور محدث لکھا ہے۔

ابو منصور قزاز

عبدالرحمٰن بن ابی غالب قزاز خطیب بغدادی کے شاگرد تھے، اور ان کی تاریخ کی شہرت انھیں کی روایت سے ہوئی ہے، ابو منصور سے بہت سارے لوگوں نے روایت کی۔ یہ نصراللہ قزاز کے والد تھے، وفات ۵۳۵ھ میں ہوئی۔

(لباب و انساب سمعانی)

کبیر داس

سکندر لودی (المتوفی ۹۲۳ھ) کے عہد حکومت (از ۸۹۴ھ تا ۹۲۳ھ) میں گذرے ہیں، ذات کے جولاہے تھے (جدولیہ ص ۱۴۱ اور خزینۃ الاصفیاء)

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ کبیر داس شیخ تقی مانکپوری کے مرید تھے[1]، مرآۃ الاسرار میں ہے کہ شیخ کبیر مانک ملاسی پہلے شیخ تقی جونسوی کے مرید تھے، اس کے بعد رامانند بیراگی کی صحبت میں ریاضات و مجاہدات کے مشرب توحید ان پر غالب آیا، ظاہر بینوں نے ان کو کافر سمجھا اور اہل باطن ان کو موحد بے ریا سمجھتے ہیں آخر میں مخدوم بھیک کے ہاتھ سے سلسلہ فردوسیہ کا خرقہ پہنا اور صلح کل کے طریقہ سے تسکین پائی۔

کبیر کو ہندو مسلمان دونوں مانتے تھے، ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ مسلمان تھے یا ہندو، صاحب خزینۃ الاصفیاء، اور صاحب مرآۃ الاسرار کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کو مسلمان مانتے ہیں، چنانچہ ان کا اولیاء اللہ کے سلسلہ میں کبیر کو ذکر کرنا اور شیخ تقی کا مرید بتانا اور مخدوم بھیک سے خرقہ پانا اس کی بین دلیل ہے، یہ بھی یاد رہے کہ خزینۃ الاصفیاء میں انکا ذکر بعنوان "شیخ کبیر" ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا بیان ہے کہ میرے چچا نے ایک روز میرے دادا شیخ سعد اللہ سے دریافت کیا کہ یہ کبیر جس کی ہندی نظمیں لوگ پڑھا کرتے ہیں، مسلمان تھا یا کافر؟ شیخ سعد اللہ نے فرمایا کہ موحد تھا، میں نے کہا کہ موحد کافر و مسلمان سے الگ کوئی قسم ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ اس بات کا سمجھنا دشوار ہے پھر سمجھ جاؤ گے[2]

اس واقعہ سے ایک بات یہ بھی ثابت ہوتی ہے کہ کبیر کی نظمیں مسلمان مشائخ میں بھی مشہور تھیں اور پسند کیجاتی تھیں، دوسری یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ کبیر، شیخ سعد اللہ المتوفی ۹۱۵ھ سے پیشتر گذرے ہیں، لہٰذا صاحب خزینۃ الاصفیاء نے جو سن وفات[3] (۱۰۰۳ھ) کبیر کا ذکر کیا ہے غلط ہے۔ صاحب تاریخ کملاء نے بھی غالباً خزینۃ الاصفیاء ہی سے اخذ کر کے ان کا سن وفات ۱۰۰۳ھ لکھا ہے اور

---

[1] تاریخ کملاء منظوم میں شیخ تقی مانک کو شیخ سلیم چشتی (المتوفی ۹۷۹ھ) کا مرید لکھا ہے اور سال وفات ۹۸۲ھ بتایا ہے۔

[2] اخبار الاخیار ص ۲۹۱ ۔ [3] کما فی الخزینۃ ص ۴۴۳ ۱۲ منہ

حضرت شیخ کبیر جولاہہ نژاد مرید شیخ تقی کے عنوان سے ان کا ذکر کیا ہے۔

جدولیہ میں مذکور ہے کہ جب کبیر کی وفات ہوئی تو ہندوؤں نے ان کو جلانا چاہا اور مسلمانوں نے یہ چاہا کہ ان کو دفن کر دیں، اسی اثناء میں کبیر نے ان پر ظاہر ہو کر کہا میرا کفن اٹھا کر دیکھو، دیکھا تو وہاں پھولوں کا ایک ڈھیر پایا، تب آدھے پھول راجہ بنارس نے اپنے شہر لیجا کر پھولوں کو جلا کر وہاں کبیر چورا بنوایا، اور آدھے پھول بجلی خاں نے جو مسلمانوں کا سردار تھا گاڑ کر ایک روضہ مقام مگہر میں بنوایا، کبیر کی وفات مگہر میں ہوئی تھی[۱]۔ یہ روضہ مگہر میں تا ایندم موجود ہے، مگہر اب بستی کے ضلع میں ہے اور این ای ریلوے کا ایک اسٹیشن ہے۔

گم گشتہ حالات اجودھیا صفحہ ۱۲۳ میں ہے کہ شیخ کبیر شاہ بھیکہ ویلہری[۲] ضلع فیض آباد میں جنکا مزار ہے کے خلیفہ تھے، اور شاہ بھیکہ خلیفہ جمال الدین[۳] اولیاء کے اور ان کا سلسلہ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری سے ملتا ہے۔

کبیر کا ذکر آئین اکبری جلد دوم صفحہ ۳۸ مطبوعہ نولکشور پریس میں بھی ہے، اس میں ان کو کبیر موحد لکھا ہے، اور صاحب دبستان مذاہب نے لکھا ہے کہ کبیر جولاہہ نژاد کہ از موحدان مشہور ہند است (صفحہ ۲۰۰)

کبیر کی پیدائش ان کے شاگرد خاص دھرم داس کے بیان کے مطابق سمبت ۱۴۵۵ گذر نے پر یعنی سمبت ۱۴۵۶ جیٹھ سدی پورنماسی کو ہوئی، اور وفات کی صحیح تاریخ سمبت ۱۵۷۵ معلوم ہوتی ہے، اس بنیاد پر ان کا سال ولادت تقریباً ۸۰۳ ہجری اور سال وفات ۹۲۳ھ ہوتا ہے اور قرائن بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ منوہر لال زتشی نے اپنی کتاب "کبیر صاحب" میں لکھا ہے کہ کبیر صاحب نے اپنی زندگی کے بعض حالات اپنے کلام میں نظم کر دیئے ہیں اور اسی وجہ سے یہ وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ذات کے جولاہے تھے، بنارس میں رہتے تھے، آخر عمر میں مگہر چلے گئے تھے (صفحہ ۵[۴]) کبیر صاحب کے باپ اور ماں یا مربی و مربیہ کا نام نیرو اور نیمہ تھا (صفحہ ۵۴) کبیر صاحب کے کلام میں شیخ تقی کا نام کبھی کبھی آتا ہے مثلاً ..... گھٹ گھٹ میں ابناشی ستو تقی تم شیخ

---

[۱] جدولیہ صفحہ ۱۲۳ ۔ [۲] بر چہار کروہ از اودھ (اجودھیا) بحر نہ خاور) ۔ [۳] شیخ جمال گجر (یا گوجر؟) معاصر شیخ احمد عبدالحق رودولی ترجمہ فی اخبار الاخیار ۔ [۴] اس کے بعد زتشی نے کبیر کی نظم کے دو مصرعے نقل کئے ہیں (۱) جات جولاہہ کیا کرے ہردے بسے گوپال (۲) تو باحمن میں کاسی کا جولہا، بوجھو مور گیانا۔

(اور مثلاً)

مانک پور میں کبیر بسے رہی   مدحت سن شیخ تقی کے رہی
اوجی سنی جونپور تھانا   جھونسی سنی پیرن کے ناما

مسلمان کبیر پنتھیوں کا خیال ہے کہ کبیر شیخ تقی کے مرید تھے.......... وسکٹ صاحب کی رائے ہے کہ اس نام کے دو بزرگ تھے، ایک کا مسکن الٰہ آباد اور فتحپور کے درمیان کڑا مانک پور کا قصبہ تھا۔ یہ ذات کے مداتے[1] اور فرقہ چشتیہ کے صوفی تھے، انکی اولاد اب تک اس گرد ونواح میں پائی جاتی ہے۔ دوسرے شیخ تقی الٰہ آباد کے قریب جھونسی کے رہنے والے اور فرقہ سہروردیہ کے صوفی تھے ان کی قبر اب تک جھونسی میں پوجی جاتی ہے (۲ مکلا)

شیخ کمال بن شیخ کبیر

کبیر داس کے فرزند اور یہ بھی ملامتی مشرب تھے، شیخ عبدالرحمن چشتی نے مرآۃ الاسرار میں لکھا ہے کہ اپنے باپ کی خدمت میں تربیت پائی، اور باپ کی وفات کے بعد گجرات چلے گئے، گجرات میں حضرت شاہ عالم محبوب عالم ان کا بہت اعزاز واحترام بجالائے، اس لئے انھوں نے بہت شہرت پائی شیخ کمال کا مزار گجرات میں مشہور ہے، ناچیز کہتا ہے کہ یہ بعد کے حالات ہیں، ابتدا میں شیخ کبیر اپنے لڑکے کمال سے بہت مایوس تھے، چنانچہ انھوں نے کہا تھا۔

ڈوبا بنس کبیر کا اپجا پوت کمال
ہری کا سمرن چھوڑ کے گھر لے آیا مال   (کبیر صاحب ص۲۰)

قطب الوقت حضرت مولانا کریم ردولی

حضرت سید سلطان اشرف جہانگیر (کچھوچھوی) المتوفی ؁۸۰۸ھ کے ہمعصر تھے، تصوف وعشق ودلایت میں نہایت عالی شان، اور بڑے بلند پایہ صاحب کمال تھے ایکبار حضرت کچھوچھوی ان کے دیکھنے کو تشریف

---

[1] غالباً شیخ عبدالحق نے اخبار الاخیار کے شجرہ میں تقی جھونسوی کو کڑا مانک پور کا باشندہ لکھدیا ہے۔ [2] یہ ایک غیر مسلم کا بیان ہے۔

لائے تو فرمایا کہ میں اس لائق نہیں ہوں کہ آپ جیسا ولی میری جھونپڑی میں قدم رنجہ فرمائے، یہ آپ کی عین عنایت ہے، ایک دن حضرت شیخ صفی و حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے جدامجد، اور شیخ سماء الدین لکر (یہ دونوں بزرگ حضرت سید سلطان اشرف کچھوچھوی کے مرید باکمال و صاحب کرامات تھے) مولانا کریم کی خدمت میں حاضر ہوئے، شیخ سماء الدین سے پوچھا کہ آپ کا نام؟ انھوں نے کہا شیخ سماء الدین لکر، فرمایا کہ اتنا بڑا نام کس سے لیا جائیگا، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا نسبی سلسلہ منقطع ہوگیا کوئی نام لینے والا نہ رہا، پھر شیخ صفی سے پوچھا کہ آپ کا نام؟ بولے صفی۔ فرمایا تمہارا نانا بانا قائم رہے گا، معلوم ہے کہ ان کی اولاد حرمت و وقار کے ساتھ تاہنوز موجود ہے۔

ایک دن ایک شخص نے عرض کیا کہ سنتے ہیں حضرت نماز پنجگانہ مکہ میں پڑھتے ہیں، فرمایا ہاں کیا تمہارا بھی ارادہ ہے؟ عرض کیا پوچھنے کا مقصد تو یہی تھا، فرمایا ہمارے پاؤں پر پاؤں رکھو اور ہماری گردن پکڑو اور کہو یا حیُّ یا قیوم وہ خواندہ آدمی نہ تھے کہا یا حیَّ یا قیوم، مقصد حاصل نہ ہوا، حضرت نے فرمایا جس طرح میں کہتا ہوں ویسے کہو، انھوں نے اسی طرح یا حیُّ یا قیومُ کہا اور حضرت کے ساتھ مکہ گئے اور نماز ادا کی، ان کے کمالات حد تحریر سے باہر ہیں، سلسلہ بیعت کا پتہ نہ چل سکا، ان کا مزار رد ولی کے کنارہ میدان میں ہے۔ یہ سب حالات صاحب بحر زخار نے لکھے ہیں اور لکھا ہے کہ انتوم جانگ بود (صفحہ ۲۶۳۹)

شاہ گنج علی فتحپوری

پہلے راجپوت تھے، بارہ سال کی عمر میں مسلمان ہوگئے، اور مداری سلسلہ کے ایک فقیر کے ہاتھ لگ گئے اس نے ان کو تعلیم و تربیت دی، وہ عام مداریوں کی طرح نہ تھا، بلکہ پابند شرع تھا، فقر و درویشی کا بھی مذاق رکھتا تھا، جب یہ اٹھارہ برس کے ہوئے تو وہ فقیر دنیا سے چل بسا، اپنے مربی کی وفات کے بعد شاہ گنج علی نہ معلوم کہاں کہاں مارے مارے پھرے بالآخر فتحپور پہونچے، اور طباخی ٹولہ کی مسجد میں مقیم ہوگئے، وہاں سے شیخ محمد ظریف نے شیخ علیم اللہ مرحوم کی مسجد میں ان کو لاکر ٹھہرایا۔ اس وقت سلطان الفضلا حضرت مولانا کمال الدین محمد سہالوی زندہ تھے، شاہ گنج علی نے آپ کی خدمت میں آنا جانا شروع کیا، مولانا نے ان پر

عہ فتح پور بارہ بنکی کی ایک تحصیل ضلع لکھنؤ کی سرحد پر ہے، جو دریائے گھاگرا پر واقع ہے۔

خاص طور سے نظرِ التفات فرمائی، اور یہ روزانہ حاضر ہو کر تنہائی میں مولانا سے استفادہ کرنے لگے، اس کے بعد شاہ عبدالرزاق بانسوی کے دیگر خلفاء مثلاً سید شاہ اسمٰعیل اور شاہ عبدالرزاق کے فرزند و سجادہ نشین شاہ غلام دوست سے بھی استفادہ و استرشاد کیا، اور سب سے زیادہ مخدوم شاہ سارنگ کی روحانیت سے کسب فیوض کیا، تین سال تک ہر پنجشنبہ کو زیارت کیلئے جاتے رہے انہیں کبھی ناغہ نہیں ہوا۔ مولانا کمال الدین کو ان سے اتنی محبت تھی کہ ایک بار یہ مخدوم شیخ سارنگ کی زیارت کو گئے اور کئی دن تک نہیں آئے تو مولانا نے آدمی بھیجکر بلوایا، جب اس پر بھی نہ آئے تو خود تشریف لے گئے۔

آخر آخر میں ان بزرگ کی عظمت و شہرت کا یہ حال تھا کہ اکثر امرائے وقت زیارت کو آتے تھے، چنانچہ سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خاں بہادر لکھنؤ سے بار بار ان کی زیارت کو حاضر ہوئے اور اکثر تحفے بھیجا کرتے تھے، خواجہ غلام محمد عرف بڑے مرزا کو فتحپور جاگیر میں ملا تھا، وہ جب فتحپور میں رہتے تھے تو ہمیشہ آپ کی خدمت میں آیا کرتے تھے، راجہ نرمل رام چکلہ دار کو بھی آپ سے بعید عقیدت تھی، ہمیشہ حاضری دیا کرتا تھا اور اکثر اوقات بہت کثیر مقدار میں کھانا بھجوایا کرتا تھا۔

مولوی اکبر علی تعریف العارفین (قلمی) میں لکھتے ہیں "چرخہ از دست خود تیار ساختہ میرشتند گاہے تہوں رشتہ ہا را فروختہ صرف می نمودند گاہے دستارے تیار فرمودہ می فروختند و بکار می بردند" یعنی انھوں نے اپنے ہاتھ سے چرخہ بنایا تھا، اور سوت کاتتے تھے، کبھی کبھی سوت ہی بیچکر صرف کرتے تھے اور کبھی اسکی پگڑی بُنکر بیچتے تھے اور کام میں لاتے تھے۔

مولوی اکبر علی ہی کا بیان ہے کہ جب وہ شام کو قصبہ کے باہر جاتے تھے تو دو چار نورباف ان کے ساتھ ہوتے تھے،

تعریف العارفین میں ان کی بہت کرامتیں مذکور ہیں، مولوی اکبر علی نے خود ان کی زیارت کی ہے، لکھتے ہیں۔ "بر اشراف خطرات و بر علم وقوع سوانح قدرتے تمام داشت"

نیز فرماتے ہیں کہ "میں نے انھیں کی صحبت میں خدمت فقرا و سے آشنائی پیدا کی ہے"

فتحپور کی جس مسجد میں رہتے تھے اسی کے صحن میں آپ کا مزار ہے۔ ۱۲۳۲ھ سے پہلے وفات پائی ہے۔

تعریف العارفین کا قلمی نسخہ فقیر حقیر کے پاس موجود ہے۔

بحر زخار ۱۲۳۵ھ میں ہے کہ گنج علی شاہ کی پیدائش ماندہ جلال پور میں ہوئی تھی، نورباف قوم سے تھے،

ہدایت اللہ پھوچھوی کا بیان ہے کہ میں فتحپور (ہسوہ) میں انکی خدمت میں عرصہ تک رہا ہوں، میں نے ان کو مجرد ومشغول اور متوکل ومجاہد پایا، میں نے سلسلہ بیعت کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ مداری سلسلہ میں مرید ہوا تھا بارہ سال تک ریاضت ومشقت کی مگر کچھ نہ کھلا - آخر میں شاہ عبدالرزاق کی روح سے فیض حاصل ہوا اور فتحیاب ہوا۔ اب چالیس سال سے میاں علیم اللہ کی خانقاہ میں رہتا ہوں، ہدایت اللہ کا بیان ہے کہ انکی کرامات کی تعداد بہت ہے، شیخ شکراللہ کا بیان ہے کہ وہ بڑے مرتاض ہیں، اکل حلال کا بڑا اہتمام ہے، بحور زخار کی تصنیف کے وقت بقید حیات تھے (بحر زخار کی تصنیف کا زمانہ ۱۲۰۰ھ سے ۱۲۰۵ھ تک ہے)

محمد نقشبند

آپ خواجہ بہاؤالدین کے والد بزرگوار ہیں، باپ بیٹے دونوں بزرگواروں کا نام محمد ہے (دیکھو سفینۃ الاولیاء) آپ بھی کمخواب بنتے تھے، جیسا کہ خواجہ بزرگ کے حال میں تم پڑھ چکے ہو۔

محمد بن ابی سعید

نظام الملک جنیدی، سلطان شمس الدین التمش المتوفی ۶۳۳ھ کے وزیر تھے، ضیا برنی تاریخ فیروز شاہی میں لکھتا ہے: "چون[۱] در اصل وزیر تفحص شافی کردند ومبالات نمودند بنائے جد نظام الملک جنیدی جولاہہ یافتند (فیروز شاہی مطبوعہ کلکتہ ص ۳۹)

سید محمد جامہ باف

المعجم البارد میں انکی دو رباعیاں نظر سے گذری ہیں، جو درج ذیل ہیں۔

رباعی

جامم بلب از لعل خموشی تو رسید — واز لعل خموش بادہ نوشی تو رسید

گوش تو شنیدہ ام کرد در کہ دارد — در درد دل من مگر بگوش تو رسید

دیگر

کردیم[۲] ببزم دیدہ چون شمع مقام — بردیم بسر عمر در اندیشۂ خام

---

[۱] جب وزیر کی اصل کے سلسلے میں اچھی طرح التحقیق کی تو نظام الملک جنیدی کے دادا کو جولاہہ پایا۔ (مسعود)

[۲] میں نے انکی نگاہوں میں شمع کی مانند قیام کیا اور ایک خام اندیشہ میں پوری عمر بسر کردی، شمع تو مکمل ہونے کے بعد بجھ جاتی ہے لیکن افسوس کہ میں مرا بھی اور مکمل بھی نہیں ہوا۔ (مسعود)

چوں شمع تمام گشت می پرورما — افسوس نہ دیدیم و گشتیم تمام

میر سید محمد، اکبر کے عہد میں تھے، مفتاح التواریخ مصنف مسٹر ٹامس ولیم بیل میں ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں بڑی شہرت رکھتے تھے، ان کا ذہن نئے مضامین اور اچھوتے الفاظ کے ڈھونڈھنے میں یدبیضا رکھتا تھا، ۹۹۶ھ میں ہندوستان آئے، اور اکبر بادشاہ دہلی کے دربار سے انعام پا پا کر مالا مال ہو گئے، ۱۰۲۷ھ میں وفات پائی ۔

خواجہ خرد

نام خواجہ محمد، حضرت عزیزان کے فرزند کلاں، اور علم ظاہر و باطن دونوں سے آراستہ تھے، حضرت عزیزان نے اپنی وفات سے بعد ان کے چھوٹے بھائی خواجہ ابراہیم کو اپنا جانشین کیا تو بعض اصحاب کو خیال ہوا کہ بڑے صاحبزادہ کو جانشین کیوں نہیں کرتے، حضرت عزیزان نے فرمایا کہ محمد (خواجہ خرد) میرے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہیں گے، چنانچہ صرف انیس ۱۹ دن کے بعد خواجہ خرد نے وفات پائی، تاریخ وفات دوشنبہ، ۱۵ ذی الحجہ ۷۱۵ھ ہے اپنے والد بزرگوار کی حیات ہی میں، اسّی برس کے ہو چکے تھے،

حضرت عزیزان کا "بافندہ" ہونا پہلے معلوم ہو چکا ہے ۔

شیخ محمد صوفی فیومی

فیوم (مصر) میں مقیم تھے، علامہ شعرانی کا بیان ہے کہ وہ اکابر عارفین میں تھے، یاکل من عمل یدہٖ بالحیاکۃ وغیرھا، بنائی وغیرہ کر کے اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے، اور کسی سے کچھ نہ لیتے تھے، ابن عربی کے مشکل اقوال کی نہایت فصیح عبارت میں شرح کرتے تھے،

شعرانی کا بیان ہے کہ میں ۲۵ سال تک انکی صحبت میں رہا اور ان کے ملفوظات و ارشادات سے نفع حاصل کیا (طبقات شعرانی ص ۱۶۵ ج ۲)

یہ بزرگ دسویں صدی میں گذرے ہیں ۔

مجمع بن سمعان زاہد تیمی

آپ کی کنیت ابوحمزہ تھی، کوفہ کے رہنے والے تھے، ماہان ماعد اور ابوصالح سے حدیث کی روایت کی اور ان سے ابوحیان تیمی اور سفیان ثوری اور ابن عیینہ نے روایت کی ہے ابن معین نے کہا وہ ثقہ ہیں، ابوحیان کہتے تھے کہ مجھ کو (اپنی نجات کیلئے) سب سے زیادہ بھروسہ اس پر ہے کہ میں مجمع سے محبت رکھتا ہوں، آپ حائک ونساج تھے، ابن ابی حاتم اور سمعانی نے اپنی کتاب انساب میں ان کا ذکر انھیں القاب کے ساتھ کیا ہے، امام بخاری نے بھی ان کا ذکر کیا ہے (دیکھیں ص۴۰۹ ج۴/۱) آپ عرب کے قبیلہ بنی تیم یا موالی تیم سے تھے، سفیان بن عیینہ فرماتے تھے کہ مجمع کو کچھ کم فضیلت نہیں حاصل تھی (بلکہ بہت زیادہ تھی) ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء ص۴۹ ج۵ میں اور ابن الجوزی نے صفۃ الصفوۃ ص۷۱ ج۳ میں مجمع کا ذکر کیا ہے، اور امام ثوری، ابوبکر بن عیاش، مسعر اور اعمش جیسے اکابر وائمہ حدیث کی زبانی مجمع کے زہد و تقویٰ کے واقعات نقل کئے ہیں، ابن عیاش فرماتے ہیں کہ مجمع کی مجلس میں حب فی اللہ و بغض فی اللہ کا ذکر ہوا تو فرمایا کہ میرے نزدیک اس کے برابر کوئی چیز نہیں ہے، ابن عیاش کہتے ہیں کہ یہ بات سنے ہوئے مجھ کو تقریباً تیس برس ہوئے اور جس وقت یہ بات مجمع سے سنی تھی اس وقت مجمع سے بہتر آدمی ہم کو کوفہ میں نظر نہیں آتا تھا، یہ بھی ان کا قول ہے کہ مجمع سے زیادہ پرہیزگار کون ہے۔

ایک بار امام ثوری ان کے پاس اس حالت میں گئے کہ ان کا ازار پھٹا ہوا تھا، مجمع نے چار درہم اٹھائے اور ثوری کی طرف بڑھاتے ہوئے یہ کہا کہ ان درہموں کا ایک ازار خرید لیجئے، ثوری نے کہا میں ان کا محتاج نہیں ہوں، مجمع نے کہا آپ سچ کہتے ہیں آپ محتاج نہیں ہیں مگر میں محتاج ہوں، اسکے بعد ثوری نے درہم لے لئے، اور ان کے عوض میں ازار خریدا، پھر ثوری کہا کرتے تھے کہ مجمع نے مجھے کپڑا پہنایا اللہ ان کو جزائے خیر دے۔

مجمع کے باپ کا نام انساب سمعانی وغیرہ میں سمعان لکھا ہے، اور حلیۃ الاولیاء میں صمعان اور اور صفۃ الصفوۃ میں یسار لکھا ہے۔

مجمع کی وفات زید بن علی کے خروج سے ایک دن پہلے ہوئی ہے، اور زید بن علی کی شہادت سنہ ۱۲۲ھ میں ہوئی۔

معاویہ بن خدیج کندی

امام بخاری، ابوحاتم، ابن البرقی، ابن یونس، ابن سعد، اور مفضل غلابی کے قول کی بنا پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، سرکار رسالت، حضرت عمر، حضرت ابوذر، حضرت معاویہ وحضرت عبداللہ بن عمر سے حدیث کی روایت کرتے ہیں، مصر و سکندریہ کی فتح میں شریک تھے، بلکہ اسکندریہ کے فتح کی بشارت لیکر حضرت عمر کے دربار میں یہی آئے تھے، ابن ابی سرح کی سرکردگی میں جو لشکر نوبہ (افریقہ) فتح کرنے کو گیا تھا اس میں شریک تھے، اور یہیں کسی لڑائی میں ان کی آنکھ بھی جاتی رہی۔

مغرب کی جنگوں میں کئی مرتبہ امیر مقرر ہوئے، افریقیہ کو دوبارہ آپ ہی نے فتح کیا، حضرت امیر معاویہ کے حکم سے صقلیہ (سسلی) پر پہلی دفعہ انہیں نے فوج کشی کی تھی، گو سسلی اس وقت فتح نہیں ہوا تاہم میدان انہیں کے ہاتھ رہا اور بہت سامان غنیمت لیکر وہاں سے واپس ہوئے۔

۴۷ھ میں مصر کے گورنر مقرر ہوئے، ۵۲ھ میں وفات پائی۔

کامل ابن اثیر میں ہے کہ ان کو محمد بن ابی بکر نے یا ابن الیہودیۃ النساجۃ کہکر خطاب کیا ہے، یعنی اے یہودی بافندہ عورت کے لڑکے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے ان کا خاندان یہودی تھا، نیز یہ کہ ان کے خاندان میں بننے کا پیشہ ہوتا تھا، ان کے لڑکے عبدالرحمٰن کا حال اوپر مذکور ہوا۔

محمد بن اشعث کندی

ابوالقاسم کنیت، کوفہ جائے سکونت، اشعث بن قیس کندی صحابی کے لڑکے، اور حضرت ابوبکر صدیق کے بھانجے ہیں، حضرت عمر وعثمان وابن مسعود وعائشہ رضی اللہ عنہم سے حدیث روایت کرتے ہیں، ان کی روایت سے ایک حدیث سنن ابوداؤد میں دوسری سنن نسائی میں موجود ہے، حضرت ابن الزبیر کیطرف سے موصل کے حاکم مقرر ہوئے، ان کی ماں حضرت ابوبکر کی بہن ام فروہ تھیں۔

ان کے والد اشعث کو حضرت علی نے حائک بن حائک کہا ہے (شرح نہج البلاغۃ صلا ۹۶ وصلا ۹۹)

۶۷ھ میں مختار نے ان کو قتل کر دیا۔

محمد بن اسمٰعیل الانصاری

دمشق کے باشندہ اور حضرت عبادہ بن الصامت انصاری کی اولاد میں تھے ۷۰۶ھ میں ولادت ہوئی، امام ذہبی، مزی، سبکی، علائی، ابن عجیا، حسینی اور عراقی جیسے حفاظ حدیث نے ان کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا، اپنے زمانہ میں بقول عراقی مسند الآفاق تھے، نہایت راستباز، امانت شعار اور حدیث و محدثین کے محب مخلص تھے، جیسا کہ امام عراقی کا بیان ہے، عراقی کہتے ہیں کہ ان کا ذریعۂ معاش کپڑا بننا تھا، وہ اپنے گھر میں صبح سے عصر تک کام کرتے رہتے اور ہم ان کے پاس پڑھا کرتے تھے ۷۹۶ھ میں وفات پائی (درر کامنہ ص۲۸۵ ج۳)

محمد بن علی بن احمد حریری

حریری اور حرفوشی کے ساتھ معروف و مشہور ہیں، دمشق کے باشندہ تھے، لغوی، نحوی اور شاعر تھے، نہایت فائق ادیب اور فضل و کمال میں انتخاب روزگار تھے، ان کی تصنیفات بہت ہیں، از انجملہ شرح آجرومیہ دو جلد، شرح فاکہی کی شرح، شرح تہذیب، حاشیہ شرح قواعد، نہج النجاۃ، شرح الزبد اور طرائف النظام ولطائف الانسجام کے نام محبی نے لکھے ہیں، علامہ عمادی مفتی دمشق ان کا بڑا احترام کرتے تھے اور ان کے فضل و کمال کے مداح تھے، جب دمشق سے ایران کیطرف رحلت کی تو شاہ عباس صفوی نے ان کو رئیس العلماء کا منصب عطا کیا، دمشق میں ریشمی کپڑا بنا کرتے تھے اسی لئے حریری کہے جاتے تھے حالت یہ تھی کہ یہ اپنے کارخانہ میں کام کرتے رہتے تھے، اور طلبہ آکر ان سے تحصیل علم کیا کرتے تھے، اور دونوں کاموں میں سے کسی میں کوئی قصور و فتور واقع نہیں ہوتا تھا، محبی نے ان کے بہت سے اشعار نقل کئے ہیں، اور بدیعی نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ وہ عربیت کے اماموں میں سے ایک امام ہیں، سیبویہ و خلیل بھی ان سے فروتر ہیں، نہج النجاۃ ان کی بے مثال اور لاجواب تصنیف ہے، ان کے اشعار میں بڑی حلاوت اور الفاظ حد درجہ پاکیزہ ہیں،

ربیع الثانی ۱۰۵۹ھ میں وفات ہوئی (خلاصۃ الاثر ص۵۴ تا ص۷۹ ج۴)

سید محمد دمشقی میدانی شافعی

سلسلہ رفاعیہ کے نامور بزرگ اور سید محمد نقیب کے والد بزرگوار تھے، نہایت صالح، خوش اخلاق

زاہد کریم وسخی تھے، حسن بوریني نے کہا کہ وہ میرے نزدیک اولیاء میں سے تھے، ریشمی کپڑے بنتے تھے اور اسی کی آمدنی کو ذریعۂ معاش قرار دیا تھا، ۱۰۰۲ھ میں وفات پائی (خلاصۃ الاثر صفحہ ۱۴۵/۴)

آپ کے صاحبزادے سید محمد نقیب الاشراف بھی پہلے اپنے والد ہی کے طور طریقہ پر تھے، اس کے بعد ۱۰۱۲ھ میں نقیب الاشراف کے عہدہ کو قبول کرلیا، ۱۰۲۵ھ میں وفات پائی (صفحہ ۱۱۹/۴)

محمد بن احمد طوخی شافعی

شمس الدین محمد بن احمد بن محمد بن صدیق، طوخ میں ۸۲۳ھ میں ولادت ہوئی، قرآن پاک، حاوی مختصر تبریزی، الفیہ حدیث، اور الفیہ نحو کو ازبر کرکے شہاب بن رسلان اور قلقشندی وغیرہ کو سنایا، شام میں بلاطنسی سے ملے، قاہرہ میں فقہ و فرائض کی تحصیل کی، مکہ میں ابن عیاش سے بروایت ابو عمر و تجوید حاصل کی، حافظ ابن حجر سے احادیث کی سماعت کی، سخاوی کی معیت میں برہان صالحی کے یہاں صحیح بخاری کا اکثر حصہ سنا اور ایک جماعت کے پاس اسکو ختم کیا، اسکے بعد اپنے شہر میں مقیم ہو کر بافندگی میں مشغول ہو گئے،

۸۸۳ھ میں اپنے لڑکے کو لیکر قاہرہ آئے، لڑکا بھی حاوی اور ورقات کا حافظ تھا، اس نے دونوں کتابیں سخاوی کو سنائیں اور دونوں نے ان سے احادیث کی سماعت کی، ۸۸۵ھ میں وفات پائی (ضوء لامع صفحہ ۷/۶)

محمد بن علی دمشقی

محمد بن علی بن ابی بکر بن احمد بن علوش دمشقی نزیل صالحیہ، زہری نساج ۸۰۰ھ سے پہلے پیدا ہوئے، محب صامت کی زبان سے مسند ابی یعلی کا ایک حصہ سنا، محدث تھے اور روایت فرماتے تھے، چنانچہ نجم ابن فہد نے ان سے احادیث کی سماعت کی، ۸۷۰ھ کے قریب وفات ہوئی (ضوء لامع صفحہ ۱۴۳/۸)

محمد بن محمود حریری

محمد بن محمود بن فقیہ عبداللطیف، اصل باشندہ اسکندریہ کے تھے، مگر قاہرہ میں رہ پڑے تھے، ان کے دادا عبداللطیف مشہور فقیہ تھے، ان کی پیدائش ۸۳۰ھ سے پہلے اسکندریہ میں ہوئی، قریب بلوغ انھوں نے حج کیا، اور اس سے فراغت کے بعد قاہرہ میں مقیم ہو گئے، اسکندری کپڑا تیار

کرنا ذریعۂ معاش تھا، علما و صلحا رمثلاً ولی الدین بلقینی اور مناسی سے ان کا بڑا میل جول تھا، علامہ سخاوی سے بھی رابطہ تھا، اس کے علاوہ ان سے حدیثیں بھی سنی تھیں، جامع عمری میں مرقی کے عہدہ پر تھے (ضوء ص۲۴۲)

محمد بن یوسف دیروطی

شمس الدین محمد بن یوسف بن احمد بن محمد دیروطی شافعی مقری (قاری) ابن الصائغ کے ساتھ مشہور تھے، قرآن پاک اور دونوں شاطبیہ کے حافظ تھے، برہان کرکی نور دیروطی وغیرہما سے قراءات سبعہ (ساتوں قراءتوں) کی تحصیل کی تھی، ان کے علاوہ اور بہت سے قرا و علماء کی خدمت میں رہکر تکمیل کی تھی، فراغت کے بعد اپنے شہر میں قرأت کی تعلیم دیتے تھے، سخاوی کا بیان ہے کہ ان کی تعلیم میں بڑی برکت تھی، جو ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتا تھا اس کو ضرور نفع ہوتا تھا۔

عمر بھر کپڑے بنکر اپنی روزی کا سامان کیا، ۸۶۶ھ میں وفات پائی اور اپنے وطن دیروط میں مدفون ہوئے (ضوء لامع ص۱۰۱ج)

محمد بن اللباد مالکی

ابوبکر محمد بن لباد بن محمد بن وشاح یحیٰی بن عمر کے خاص شاگرد تھے، اور اپنے وقت کے تمام شیوخ سے حدیث کی سماعت کی تھی، ابوالیوب نے کہا کہ وہ جلیل القدر فقیہ، زاہد، پرہیزگار اور باہیبت عالم تھے، ان کا شمار حفاظ و فقہاء میں تھا، محمد بن ادریس کا قول ہے کہ میں نے مشرق و مغرب میں بہت سے علماء کی صحبت اختیار کی مگر میں نے تین شخصوں کے مثل کسی کو نہیں پایا۔ ان میں سے ایک محمد بن لباد ہیں۔ وہ صاحب تصانیف بھی تھے، انکی وفات ۳۳۳ھ میں ہوئی، الدیباج المذہب میں ہے کہ ان کے پردادا وشاح حائک (بافندہ) تھے (دیباج ص۲۵۱) اخیر عمر میں مفلوج ہو گئے تھے اس وقت اپنے بھولے ہوئے پیروں کو دیکھتے تو رو کر کہتے کہ اے اللہ ان کو پل صراط پر ثابت رکھنا، تو گواہ ہے کہ یہ پیر کبھی کسی گناہ کے کام میں نہیں چلے ہیں، ان کی تصنیفات میں کتاب الطہارۃ، فضائل امام مالک اور کتاب الآثار والفوائد وغیرہ کے نام لئے گئے ہیں۔

شیخ موسیٰ ازہری

جامع ازہر میں تعلیم پائی تھی، ان کا قول ہے کہ آج سے بیس سال پہلے میرے بدن کے سب کپڑے میری ماں کے ہاتھ کے بنے ہوئے تھے۔ خیرالدین زرکلی دمشقی مشہور شامی مصنف جو آج ۱۳۷۲ھ میں بھی زندہ ہیں اُکے شناساؤں میں ہیں (دیکھو عمان فی عمان صفحہ ۹)

خیرالدین زرکلی سے ۱۹۷۱ء میں میری ملاقات بیروت میں ہوئی تھی، بہت دیر تک علمی باتیں ہوتی رہیں، وہ کافی معمر تھے، اب کئی سال ہوئے ان کا انتقال ہوچکا ہے۔

محمد حموی شمس الدین بن العیار نحوی

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ پہلے بافندگی کرتے تھے، پھر طلب علم کا شوق دامنگیر ہوا اور عربیت میں بڑی مہارت پیدا کی، ابن جابر وغیرہ سے علم کی تحصیل کی، اور دمشق میں سکونت اختیار کی، جامع مسجد کے صدر نشین ہوئے، بڑے حاضر جواب اور دقائق عربیت پر مطلع تھے، چنانچہ جب انھوں نے قاضی برہان بن جماعہ کی مدح میں یہ اشعار کہے۔

ان کان للمولیٰ ندی فلانت یا[1]	قاضی القضاۃ عطاءک الطوفان
او کان سر للہ فی مخلوقہ	فسماک انت السر والبرہان

تو برہان نے پوچھا کہ قاضی کی یے ساکن کسطرح ہوگئی، حالانکہ قاعدہ سے اس کو منصوب ہونا چاہیئے تو انھوں نے برجستہ جواب دیا کہ جس طرح اس شعر سے

ولو ان واشٍ بالیمامۃ دارہ[2]	وداری باعلی حضرموت اھتدیٰ لیا

میں واشٍ کو واشیاً منصوب نہیں باندھا گیا، بلکہ اسکی یے کو ساکن قرار دیکر اجتماع ساکنین کیوجہ سے حذف کردیا گیا اسی طرح قاضی القضاۃ کی یے منصوب نہیں باندھی گئی، برہان بہت خوش ہوئے، اور انعام سے نوازا،

ان کی وفات ۸۱۶ھ میں ہوئی، محمد حموی کا ذکر سخاوی نے الضوء اللامع میں اور ابن العماد حنبلی نے شذرات الذہب میں اور سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ میں کیا ہے۔

---

[1] اگر مولیٰ کی سخاوت شبنم کی طرح ہے تو اے قاضی القضاۃ تیری بخشش طوفان کے مثل ہے یا اگر خدا کا مخلوق کے اندر کوئی راز ہے تو وہ راز اور برہان تم ہو۔ [2] چغلخور کا گھر یمامہ میں ہو اور میرا حضر موت میں تب بھی مجھے ڈھونڈھ نکالے گا۔ (مسعود)

محمد بن عمر بن سوار دمشقی عاتکی شافعی

آپ شیخ عبدالقادر بن سوار کے والد بزرگوار تھے، طریقت میں عبدالہادی صفوری آپ کے شیخ تھے، بڑے تہجد گذار، اور بکثرت روزہ رکھنے والے تھے، غزی نے آپ کو العبد الصالح الورع (نیک پرہیزگار بندے) کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔

آپ سوتی کپڑے بنتے تھے اور اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے، اپنے خرچ سے جو فاضل بچتا تھا اسکو خیرات کر دیتے تھے، اور بیواؤں اور یتیموں کی خبرگیری کرتے تھے، ان کی ایک کھلی ہوئی کرامت یہ تھی، کر دس گز (ہاتھ) شاش (باریک سوتی کپڑے کی ایک قسم) دن کے کھانے سے پہلے پہلے بن لیتے تھے، جو بہت غیر معمولی بات ہے۔

آپ کی وفات ۹۴۴ھ میں ہوئی۔ (شذرات الذہب ص۲۴۲)

میمون خامی

سخاوی نے لکھا ہے الرجل الصالح المعروف بمیمون الخامی (مرد نیک جنکی شہرت میمون خامی کے نام سے ہے، وہ اپنے ہاتھ سے خام (کپڑے کی ایک قسم) بنتے تھے جہاں دھاگہ ٹوٹ جاتا تھا اور دوسرا دھاگہ جوڑتے تھے تو وہاں ایک سرخ نقطہ کا نشان بنا دیتے تھے، جب بیچنے کو بازار لیجاتے تھے تو دلال سے کہتے تھے کہ یہ بھی پکار کر کہدو کہ ہر نقطہ کے نیچے عیب ہے۔.. (تحفۃ الاحباب ص۱۰۱)

شاہ معصوم بن شاہ پیچو لکھنوی

شاہ غلام آفاق لکھنوی کے مرید وخلیفہ تھے ان کی وفات کے بعد ان کے سجادہ نشین ہوئے اور حقوق سجادہ نشینی خوب ادا کئے۔.... (بحر زخار ص۱۴۸)

لہ دمشق کے بڑے عالی رتبہ شیخ طریقت تھے، ۹۱۳ھ میں آپ کی وفات ہوئی... (شذرات ص۱۳۶)

نواب مرزا مغل بیگ بہادر

بہادر شاہ ظفر کے وزیر تھے، اور ظفر شاہ کی ولی عہدی کے زمانہ میں ان کے مختار کل تھے، دنیا کا دستور ہے کہ جب کسی کا رسوخ حد سے زیادہ ہو جاتا ہے تو لوگوں کی آنکھوں میں وہ خار بنکر کھٹکنے لگتا ہے، شاید یہی بات تھی یا واقعی وہ کچھ بدمزاج تھے اس لئے شاہی نوکروں کو ان سے شکایت پیدا ہوئی اور اس کا چرچا ہوا تو شاہ نصیر المتوفی سنہ جن سے استاد ذوق نے ابتدا میں چند دن اصلاح لی تھی، یہ قطعہ لکھا ؎

تانے بانے پر نہ رکھ دنیا کے ہرگز اعتبار | غور کر چشم حقیقت سے کہ سر پر کوچ ہے
توڑ کر تو اس طرف سے اس طرف کو جوڑ لے | تو تو مومن ہے ورنہ مومنوں کی پوچ ہے

محمد حسین آزاد نے لکھا ہے کہ ذات کے جولاہے تھے ... (آب حیات ۴۲۴)

محمد بن احمد بن عبدالملک بن ابی بکر موصلی

عارف باللہ شیخ المشائخ ابوبکر موصلی دمشقی کے پڑپوتے تھے، اور ابن الاخصاصی کی خانقاہ کے شیخ تھے، دمشق وطن تھا، نویں صدی کے بزرگوں میں ان کا ذکر سخاوی نے کیا ہے، ان کے پردادا بنائی کا کام کرتے تھے۔

مَعافِری

یمن کے معافری خاندان کے پارچہ باف ہونے کا انکار ناممکن ہے، معافری کپڑے معافریوں کی پارچہ بافی کے مجسم ثبوت ہیں، احادیث میں بھی ان کی پارچہ بافی کا ذکر موجود ہے، لہٰذا وہ تمام علماء و اعیان جو معافر یا قبیلہ معافر کی کسی شاخ کیطرف منسوب ہیں سب پارچہ باف یا پارچہ بافوں کی اولاد ہیں، اس لحاظ سے قاہرہ (مصر) کے تمام بنو قرافہ جو اس کے دو محلوں، قرافۂ کبریٰ اور قرافۂ صغریٰ اور اسکندریہ کے محلہ قرافہ میں آباد تھے، وہ سب بافندوں کی اولاد تھے، بنو قرافہ کی نسبت خلاف الاثر میں ہے کہ وہ معافر بن یعفر کی ایک شاخ ہیں (دیباچہ)

حموی نے معجم البلدان صفحہ ۳۵۹ میں لکھا ہے "والمعافر[1] ثیاب یمانیہ تنسب الی قبیلة من ھمدان یقال لھم المعافر اسم الثیاب والقبیلة والموضع الذی تعمل فیہ واحد وربما قیل لھا المعافریہ و ثوب معافری اھ

---

[1] معافر ایک یمنی قبیلہ کی طرف جس کا نام بھی معافر ہے منسوب کپڑا ہے۔ کپڑا، قبیلہ اور جگہ تینوں کا نام معافر ہے، اسے معافریہ اور ثوب معافری بھی کہتے ہیں۔

حــریری

بہت سے علماء داعیان کے نام کیساتھ حریری کی صفت بھی مذکور ہے، حریری کے معنی ریشم فروش اور ریشم باف دونوں ہوسکتے ہیں، چنانچہ بعض حریری اشخاص کی نسبت تو تصریح موجود ہے کہ وہ ریشمی کپڑا بنتے تھے، جیسا کہ محمد بن علی بن احمد حریری کی نسبت محبی نے خلاصۃ الاثر ۹۹/۴ میں لکھا ہے، لہٰذا حریریوں میں بھی بہت سے بافندہ حضرات ہوں گے، ہمیں نے ان سب لوگوں کا ذکر نہیں کیا ہے۔

حریری

جن حضرات کے ناموں کے ساتھ یہ نسبت لگی ہوئی ہے ان میں ایک نہایت بلند پایہ حافظ حدیث، و امام فن، ہندوستانی بھی ہیں جن کو ابوالخیر نجم الدین سعید بن عبداللہ الدھلی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انھوں نے سماع حدیث کیلئے بغداد اور مصر و شام کا سفر کیا تھا حافظ ابن حجر نے الدرر الکامنہ میں ان کا ذکر کیا ہے،

سنن کبری نسائی کا ایک نسخہ ابن الفصیح کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اس کے آخر میں ابن الفصیح نے لکھا ہے کہ میں امام ابن المرابط کے پاس اس کتاب کی قرأت کر رہا تھا تو سننے والوں میں امام علامہ محدث حافظ سعید بن عبداللہ الدھلی الحریری بھی تھے۔

حافظ ذھبی ان کے شاگردوں سے تھے، ۷۴۹ھ میں انتقال کیا۔

شیخ علی بن ابی الحسن حریری

ابن تغری بردی نے یوں نام لیا ہے علی بن ابی الحسن بن منصور الشیخ ابوالحسن مگر مجھکو ابوالحسن، ابوالحسن کا محرف معلوم ہوتا ہے، ان کا تعارف کبیر الفقراء الحریریہ یا مقدم الطائفۃ الفقراء الحریریہ کے عنوان سے کرایا جاتا ہے، سیر اعلام النبلاء میں حافظ ذھبی لکھتے ہیں،

وہ حوران کے قریب بسر نامی بستی میں پیدا ہوئے، بچپن ہی میں دمشق چلے آئے اور یہاں آکر مروزی کپڑا بننے کا ڈھنگ سیکھا، اور اس میں بہت ماہر ہوگئے پھر وہ متصوف ہوگئے جس کی وجہ سے قیدخانہ کی ہوا کھانی پڑی،

ان کی ماں دمشق کی تھیں، وہ امیر مسیب عقیلی کی ذریت میں تھیں، ان کا ماموں سونار تھا،
علی حریری کی پرورش بحالت یتیمی ہوئی۔ بہر حال قید خانہ سے نکلنے کے بعد انھوں نے عتابی
کپڑا بننا شروع کیا، پھر زہد و تقوی کا راستہ اختیار کر کے شیخ رسلان کے خادم ابوعلی مغربی کے مرید ہو گئے
النجوم الزاہرہ میں ہے کہ ان کے بارے میں بڑا اختلاف ہے، ابوشامہ وغیرہ نے ان کی تعریف کی ہے
اور امام ذہبی وغیرہ ان کی سخت مذمت کرتے ہیں، ذہبی اور ابن تغری بردی نے ان کا سال
وفات ۶۴۵ھ بتایا ہے، اور دونوں کتابوں کے محشیوں نے لکھا ہے کہ ابوشامہ کی کتاب الروضتین
میں ہم کو مدح و ثنا کے بجائے انکی مذمت ملتی ہے، (النجوم الزاہرہ ص۳۶۰ ج۶، اعلام النبلاء ص۳۴۴ ج۴)
اور شیخ یوسف نبہانی نے جامع کرامات الاولیاء میں ان کی نسبت لکھا ہے، أحد أركان الطريق[1]
وائمة الأولياء واكابر الصوفية ومشاهير العارفين، ص۱۷۴ ج۲)
سناوی نے بھی تعریف ہی کی ہے۔ بہر حال یہ کبیر الفقراء الحریریہ (حریری فقراء کا پیشوا) جو بعض
لوگوں کے نزدیک ائمہ اولیاء میں سے ہے اس کو بھی حریری لکھتے ہیں اس لئے کہ وہ حریر باف تھا۔
پہلے مروزی کپڑے بنتا تھا بعد میں عتابی کپڑے بننے لگا، ہم کو صرف یہ بتانا تھا کہ حریری کا اطلاق
بافندۂ حریر پر ہوتا ہے۔

شیخ علی بن علی حریری

یہ شیخ ابوالحسن علی حریری کے فرزند ارجمند ہیں، ان کا ذکر حافظ ابن حجر نے درر کامنہ ص۱۱۴ ج۳ میں کیا
ہے، لکھا ہے کہ ان کی ولادت ۶۳۲ھ میں ہوئی اپنے باپ کی وفات کے وقت یہ صرف دو برس
کے تھے، انکی نشو و نما باپ کے طور طریقہ پر ہوئی، ان کے مریدین و معتقدین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔
بڑی عزت و وجاہت حاصل تھی، اور ابن تغری بردی نے ان کے بارے میں لکھا ہے الشیخ الصالح
القدوۃ ابوالحسن علی بن الشیخ الکبیر علی الحریری شیخ الفقراء الحریریۃ (ترجمہ) شیخ
صالح مقتدا ابوالحسن علی شیخ کبیر علی حریری کے لڑکے پھر لکھا ہے کہ لوگوں کو انکے حق میں بڑا اعتقاد تھا۔
اور ارباب حکومت کے یہاں انکی بڑی عزت و حرمت تھی، اور ان میں بڑا تواضع و کرم بھی تھا۔
انکی وفات ۷۰۶ھ میں ہوئی جب کہ ان کی عمر ۷۴ سال تھی (نجوم ص۲۲۳ ج۹)

---

[1] طریقت کے ایک رکن، ائمہ اولیاء، اکابر صوفیہ اور مشہور عارفوں میں تھے۔ (مسعود)

حضرت امام اعظم نعمان بن ثابت ابو حنیفہ کوفی رحمہ اللہ

آپ کی شہرت چار دانگ عالم میں ہے، ضرورت نہیں کہ آپ کے مناقب لکھے جائیں، صرف وہ نقول پیش کی جاتی ہیں جس سے آپ کا یہ پیشہ ثابت ہوتا ہے، فتاوی برھنہ باب ۲۷ میں ہے حرفت[1] وے صنعت خزازی بودے وا خانہ بود بزرگ ودراں خزازی بیکردچوں آتش حسد ابن ابی لیلیٰ شعلہ زدی گفتے تحیرت من ہذا الخزاز دگا دبایں لفظ کرمن ہذا النساج حالانکہ محترف محبوبیت حق تعالیٰ دارد بحکم حدیث ان اللہ یحب المؤمن المحترف

اور احیاء العلوم میں غزالی فرماتے ہیں قال[2] ابن ابی لیلیٰ لابن شبرمۃ الا ترٰی الی ابن الحائک ھذا لا نفتی فی مسئلۃ الا ردعلینا یعنی ابا حنیفۃ فقال ابن شبرمۃ لا ادری اھو ابن الحائک ام ماھو لکن اعلم ان الدنیا غدت الیہ فھرب منھا وھربت منا فطلبناھا اھ (احیاء العلوم صہ) کیمیائے سعادت میں بھی بعینہٖ اسی واقعہ کو نقل کیا ہے

خواجہ نجیب نساج

آپ کا اس سے زیادہ حال معلوم نہیں ہے کہ حضرت شیخ احمد کھٹو کو دلی سے جب آندھی اڑا لائی تو کھٹو کی سرحد میں جو اجمیر وناگور کے کوہستان میں ایک موضع ہے اترے اور خواجہ نجیب نساج کے ہاتھ لگے، یہاں سے بابا اسحٰق مغربی کے ہاتھ اس طرح آئے کہ مولانا صدر الدین حافظ مولانا شہاب الدین عالم ہمدانی ڈیڈوانہ کو جاتے تھے جو دھلی کا پرگنہ ہے اس واسطے بابا اسحٰق کے پاس رخصت ہونے کو گئے، بابا نے فرمایا اگر کوئی ذی شعور لڑکا ہاتھ آجائے تو میرے واسطے لیتے آنا، جب مولانا صدر الدین ڈیڈوانہ پہونچے تو خبر ملی کہ ایک لڑکا خواجہ نجیب نساج کے ہاتھ لگا ہے، مولانا کو بابا کا پیغام یاد آیا لڑکے کے دیکھنے کو گئے اور نساج سے مانگ کر بابا کے واسطے لیتے آئے (گلزار ابرار صہ)

---

[1] ان کا پیشہ بنائی تھا، ان کے گھر کے بزرگ ریشمی کپڑا بنا کرتے تھے، جب ابن ابی لیلیٰ کو ان سے حسد ہوا تو ایک روز کہا اس کپڑا بننے والے پر مجھے حیرت ہے حالانکہ حرفت کرنے والا حق تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے۔ اس حدیث کی بنیاد پر کہ اللہ تعالیٰ پیشہ سے جڑے ہوئے مومن کو پسند کرتا ہے۔ (مسعود)

[2] ابن ابی لیلیٰ نے ابن شبرمہ سے کہا کہ تم اس جولاہے کو نہیں دیکھتے کہ ہم جب بھی کوئی فتوی دیتے ہیں تو وہ اس کو رد کر دیتا ہے تو ابن شبرمہ نے کہا کہ مجھے پتہ نہیں وہ حائک ہے یا نہیں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ دنیا اسے حاصل ہوئی تو اس نے اسے ٹھکرا دیا اور ہم سے دور ہوئی تو ہم اس کے پیچھے بھاگے۔ (مسعود)

حضرت شیخ احمد کبار اولیائے ہند میں ہیں ۵۵۹ھ میں بمقام احمد آباد وفات پائی اور وہیں سپرد خاک میں مدفون ہیں آپ کے حالات کے لئے اخبار الاخیار وغیرہ ملاحظہ ہو۔

منصر بن قاسم بن نصر بن زید ابو اللیث فرائضی بغدادی

بڑے پایہ کے محدث و فقیہ حنفی تھے، فرائض میں آپ کو کامل مہارت تھی، طبقہ قراء میں بڑے بلند پایہ و عالی منزلت قاری تھے، حدیثیں عبید اللہ قواریری اور ابوبکر بن ابی شیبہ سے سنیں اور آپ سے ابو حفص بن شاہین الحافظ و حافظ احمد بن یوسف وغیرہ نے روایت کی، خطیب نے اپنی سند صحیح سے بیان کیا ہے کہ حافظ احمد بن یوسف تنوخی فرماتے تھے کان فرائضیا کبیرا لمنزلۃ فی العلم وکان فقیہا علی مذہب ابی حنیفۃ وکان مقرئا جلیلا حسن قراءۃ ابی عمرو اھ، آپ دو واسطے سے امام القراء ابو عمرو بن العلاء کے شاگرد تھے، اور قدیم میں مصروف حیات تھے، جواہر مضیئہ میں ہے کان ابو اللیث حائکا فی قدیم ایامہ، پنجشنبہ ۲۳ ربیع الآخر ۳۱۴ھ کو یہ آفتاب ہمیشہ کیلئے روپوش ہو گیا (جواہر صفحہ ۱۹۶)

نوح بن دراج کوفی ابو محمد نخعی فقیہ شاگرد رشید امام ابو حنیفہ رح

امام اعظم و زفر سے فقہ حاصل کیا اور زفر واعمش و سعید بن منصور سے حدیثیں سنیں، ابن حزم اندلسی نے آپ کو ابو یوسف و محمد کے طبقہ میں ذکر کیا ہے، وکیع نے شریک ابن عبداللہ سے جب کہا کہ اپنے لڑکوں کو پڑھائیے لکھائیے تو کہا ادراج ادب نوحا۔ تاریخ خطیب میں ہے کہ دراج قوم نبط سے تھے اور حائک تھے، ان کے چار بیٹے تھے اور چاروں اپنے باپ کے پوتے کے منصب قضاء پر متمکن ہوئے (صفحہ ۲۱۶/۱۳) خطیب نے یہ بھی لکھا ہے کہ قاضی ابن شبرمہ نے کسی فتوی میں غلطی کی تو نوح نے کہا ذرا اچھی طرح پھر سے غور فرمالیں، ابن شبرمہ سمجھ گئے کہ غلطی ہو گئی فرمایا کہ سائل کو بلاؤ، اور یہ شعر پڑھے

کادت تزل بہا من خالق قدم	لولا تدارکہا نوح بن دراج
لما رأی ھفوۃ القاضی فاخرجہا	من معدن الحکم نوحا ای اخراج

اور بعضوں نے اس کو ابن ابی لیلیٰ کی طرف منسوب کیا ہے۔ (جواہر صفحہ ۲۰۳/۲)

خطیب نے لکھا ہے کہ شریک سے کسی نے آکر کہا کہ نوح بن دراج قاضی ہو گئے تو شریک نے کہا کہ اب وہ

سه فرائض کے بڑے ماہر تھے۔ علم میں بلند مرتبہ تھے۔ فقیہ تھے۔ اور امام ابو حنیفہ کے مسلک پر عمل پیرا تھے۔ ابو عمرو کی قراءت کے عالی منزلت قاری تھے۔ سه ابو اللیث پہلے بنائی کیا کرتے تھے۔ (مسعود)

سه قریب تھا کہ قاضی کا پاؤں پھسل جاتا اگر نوح بن دراج نے اس کا تدارک نہ کیا ہوتا جب نوح نے قاضی کی لغزش دیکھی تو اس کو حکم کے معدن سے نکالا۔ (مسعود)

عرب لوگ چلے گئے جو غصہ ہوتے تھے تو ناخوش ہو جاتے تھے۔ نوسنانے سنہ میں وفات پائی۔

ناصر بن عبدالسید بن علی المطرزابوالفتح المعروف بالمطرزی ادیب مشہور

رجب ۵۳۸ھ میں پیدا ہوئے، خوارزم کے باشندے زمخشری[1] و موفق کے شاگرد ہیں، نحو و لغت وفقہ میں ید طولیٰ حاصل تھا، حنفی المذہب تھے، تصنیفات بہت ہیں، منجملہ ان کے المعرب لغت فقہ المغرب شرح المعرب الاقناع فی اللغۃ، مختصر المصباح فی النحو، مقدمہ مطرزیہ مختصر الاصلاح لابن السکیت۔ آپ کی وفات بروز سہ شنبہ ۲۱ جمادی الاولیٰ ۶۱۰ھ میں بشہر خوارزم ہوئی، آپکی جودت طبع کا نمونہ یہ ہے[2]

وزند ندی فواضلہ وری — ورند ربی خواصلہ نضیر

ودر خلالہ ابدا ثمین — ودر نوالہ ابدا غزیر

ولہ

تعامی زمانی من حقوقی وانہ[3] — قبیح علی الزمان تبدی تعامیا

فان تنکروا فضلی فان رعاءها — لکفی لہ فی الاسماع منکم منادیا[4]

ناصح بن عبداللہ کوفی محلی حائک

آپ محدث ہیں، سماک بن حرب و یحییٰ بن کثیر سے روایت کرتے ہیں اور آپ سے عبداللہ بن صالح و اسمٰعیل بن عمرو بجلی۔ آپ بڑے عابد و زاہد بھی تھے حسن بن صالح حافظ نے آپ کو یاد کیا تو فرمایا "رجل صالح نعم الرجل" ذہبی نے میزان میں اور ابن حجر نے تقریب و لسان المیزان میں آپ کا تذکرہ کیا ہے، اور ترمذی میں آپ کی روایت موجود ہے۔

---

[1] علمائے کرام آپ کی مدح و ثنا میں رطب اللسان ہیں، دیکھو جواہر و فوائد و بغیہ و وفیات الاعیان۔ ابن خلکان نے مطرزی کے معنی یہ بیان کئے ہیں من یعمل الثیاب المطرزۃ۔

[2] مولانا عبدالحی صاحب ان کے زمخشری کے تلمیذ ہونیکا انکار کرتے ہیں۔

[3] اس بخشش کا شمارہ بھی نہیں اور اس سخاوت کا وقت ہمیشہ تر و تازہ رہتا ہے۔ اسکے عادات و اطوار قیمتی موتی ہیں اور اس کے عطیے موسلا دھار بارش۔ (مسعود)

[4] ترجمہ: میرے حقوق سے زمانے بھر میں صرف نظر کرتی ہے جب کہ یہ بات اس کے لئے بہت نامناسب ہے، اگر تم لوگ میرے فضل کو تسلیم نہیں کرتے تو تم لوگوں میں سے اہل سماعت کے لئے اس کی آواز ہی کافی ہے۔ (مسعود)

مولوی ولی اللہ محدث سورتی

آپ مولوی حافظ غلام محمد گجراتی سورتی کے صاحبزادہ اور قوم کے بوہرہ تھے، حافظ غلام محمد نے لکھنؤ میں بخدمت ملا نظام الدین سہالوی علم حاصل کیا قرأت و تجوید میں بہت ماہر تھے، مولوی ولی اللہ نے اپنے والد سے جملہ علوم ظاہر و باطن حاصل کئے، اس کے بعد حرمین میں حاضری کی سعادت حاصل کی اور شیخ ابوالحسن سے حدیث کی سند حاصل کی آخر میں سورت آکر متوکلانہ زندگی بسر کی، سید عبد اللہ لاہوری نے برہان پور میں شاہ ولی اللہ سورتی سے علم حاصل کیا۔ ان کے والد حافظ غلام محمد کا ذریعۂ معاش بافندگی تھا (بحر زخار ص۲۶۹)۔ سنہ ۱۱۸۲ھ میں حاجی امین الدین محدث کاکوری جب حج کو گئے ہیں تو مولوی ولی اللہ کے مکان پر مقیم ہوئے ہیں (مواہب القلندریہ ص۱)

اور مولوی رفیع الدین مراد آبادی سے بھی انکی ملاقات غالباً ان کے سفر حج (سنہ ۱۲۰۲ھ) میں ہوئی ہے انھوں نے اپنے رسالہ اخوان صفا میں ان کا ذکر کیا ہے اور بڑی مدح سرائی کی ہے۔

بحر زخار ص۲۱۵ میں ہے کہ ان کو اپنے والد کی زندگی ہی میں مشاہدہ کا مرتبہ حاصل ہو گیا تھا۔

حقیقت السورت میں ہے کہ جب مولانا غلام محمد تکمیل علوم کے بعد برہان پور پہنچکر وہیں مقیم ہو گئے تو اپنے لڑکے شیخ ولی اللہ کو بلا کر تعلیم دینا شروع کی اور سات سال میں انکو فارغ کر دیا، اس کے بعد شیخ ولی اللہ نے حرمین جانے کی اجازت مانگی تو انھوں نے اجازت دیدی، یہ سورت سے جہاز پر سوار ہو کر حجاز گئے اور مناسک سے فارغ ہو کر شیخ ابوالحسن محدث مدنی (سندی) سے حدیث کی سند حاصل کی، واپسی کے بعد اپنے والد کی خدمت میں برابر استفادہ کرتے رہے، جب انکی وفات ہو گئی تو چالیس دن کے بعد سورت چلے آئے اور دروازہ سید پورہ کے باہر شیدی عنبر کی مسجد میں قیام کر کے علوم دین کا درس دینے لگے اور اسی طرح اپنی ساری زندگی گذار دی۔

سنہ ۱۲۰۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی (ص۹۶) آپ کا مزار شیدی عنبر کی مسجد میں ہے۔

ہلال بن علی نساج

ابوالسعد ہلال بن علی بن ابی العز بن یوسف بن ابی العز بن ودالہ حرانی نساج ذی الحجہ سنہ ۵۵۳ھ میں

پیدا ہوئے نجیب الدین حرانی اور عزالدین حرانی، اور عبدالعزیز بن عبدالقادر اور احمد بن طرخان وغیرہم سے سماع حدیث کیا، برزالی اور امام ذہبی اور ابن رافع نے ان سے حدیثیں سنیں۔
۷۲۳ھ میں بمقام دمشق وفات پائی۔ (درر کامنہ ص ۳۸۴ ج ۴)

میاں ہدایت اللہ

کپڑا بن کر روزینہ حاصل کرتے تھے اور اسی سے اپنا اور اہل وعیال کا کام چلاتے تھے بنگالہ میں قیام تھا (نجر زخار ص ۲۶۹)

ھبۃ اللہ بن احمد بن یعلی الطرازی

بڑے فقیہ واصولی ومناظر تھے اور طلبہ وعلماء کے مرجع تھے، آفاق سے طلبہ آپکی خدمت میں حاضر ہو کر مستفید ہوتے، شرح جامع کبیر، شرح عقیدۃ الطحاوی تبصرۃ الاسرار شرح المنار آپکی تصنیفات ہیں،
۷۷۳ھ میں وفات ہوئی، کفوی نے کہا ہے طرازی بکسر الطاء ترکستان کے ایک شہر کیطرف نسبت ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے بلکہ یہ نقشبندی کیطرف نسبت ہے ھکذا قال العلامۃ عبد الحی (فوائد ص ۲۲۲)

یوسف بن عبد الکریم موصلی

عزالدین ابوالمحاسن یوسف بن عبد الکریم بن ہیل موصلی نزیل یمن، موصل سے ۸۳۰ھ کے حدود میں بعہد ابوالمظفر یوسف شاہ یمن یمن آئے اور ۸۶۲ھ تک یہاں اقامت کی، پھر تقریباً نوے سال کی عمر میں براہ دریا ہندوستان کا قصد کیا، نہایت تیز فہم وذہین آدمی تھے، بوٹے دار ریشمی کپڑا بنتے تھے، ابن فضل اللہ اور عبدالباقی یمانی نے ان کا ذکر شعراء یمن میں کیا ہے، ان کے تین شعر حافظ ابن حجر نے درر کامنہ میں نقل کئے ہیں، ان میں انھوں نے اپنے پیشہ کا بھی اظہار کیا ہے،

یا امام الزمان فی کل فن[1]	وبدیعاً قد بذ شاؤ البدیع
قد رفعنا الی معالیک روضا	من حریر فی غایۃ الترشیع
دوحۃ فیہ واخر الصیف خانتہ	ھا کما جاء فی زمان الربیع (درر کامنہ ص ۴۶۲ ج ۴)

---

[1] اے جملہ فنون میں امام زمانہ اور نادرۂ روزگار جس نے بدیع پر بھی سبقت حاصل کرلی ہم نے تیرے حضور ایک منقش ریشمی کپڑا پیش کیا۔ جو موسم گرما کے اواخر کے درخت کی طرح ہے لہذا تم اسے قبول کرلو کہ وہ تمہارے لئے پاس موسم بہار کا تحفہ ہے۔ (مسعود)

یوسف غزی مقری

یوسف بن احمد بن عثمان غزی مقری شافعی، فاضل یکتا اور جامع فنون فائق عالم تھے، غزۂ ہاشم میں ۱۱۱۹ھ میں ولادت ہوئی، شیخ محمد عامری کی خدمت میں حفظ قرآن اور نحو وفقہ کے مبادی حاصل کئے، تین سال تک مدینہ منورہ میں حفظ و تجوید قرآن میں مشغول رہے، اس کے بعد اپنے وطن آئے تو چونکہ ان کے والد باقندہ تھے اور بڑی تنگ حالی میں بسر ہوتی تھی اسلئے دوبارہ مکہ چلے گئے، اور وہاں سید مصطفےٰ بکری سے سلسلہ خلوتیہ میں مرید ہو گئے پھر یمن پہنچکر علامہ ابن الجزری کے ایک لائق شاگرد سے قراءت میں کمال حاصل، اور امام یمن کے دربار میں بڑا رسوخ پیدا کیا، اور انکی بڑی شہرت ہوئی، دور دور سے لوگ تحصیل قراءت کیلئے ان کے پاس آنے لگے، اسکے بعد ۱۱۴۹ھ میں غزہ آئے، وہاں وزیر حسین پاشا نے انکی بڑی قدر و منزلت کی،

۱۱۸۰ھ میں وفات پائی، مرادی نے لکھا ہے کہ ان کو ہر علم میں کافی دخل تھا، اور قراءت میں تو بڑے پایہ کے شخص تھے (سلک الدرر ج ۴ ص ۲۳۹)

یونس بن محمد بعلی

یونس بن محمد بن ایوب بعلی ابو النون نساج، حجاز سے بخاری دارمی کی ثلاثیات کا سماع کیا، (سماع یعنی درس) حدیث کیساتھ اشتغال کیا، ان سے ابو حامد بن ظہیرہ نے حدیثیں سنیں ۷۲۸ھ کے بعد تک بقید حیات تھے، (درر کامنہ ج ۴ ص ۴۸۴)

مولانا محمد یحیٰی سہسرامی

غالباً دار العلوم دیوبند میں تعلیم پائی تھی، اور مظاہر علوم میں اونچے درجہ کے مدرس تھے، بہت بڑے فاضل اور مناظر تھے، حضرت مولانا خلیل احمد محدث نے ایک دفعہ قادیانیوں کے مقابلہ میں اپنی طرف سے ان کو پیش کیا تھا اور انھوں نے حضرت کی موجودگی میں مناظرہ کیا، سہارنپور کے بعد مدرسہ عالیہ کلکتہ میں نائب صدر تھے،

ایک بافندہ زادہ بلیغ شاعر

مولانا اعزاز علی مدرس دارالعلوم دیوبند نے اپنی کتاب نفحۃ العرب ص۱۲ میں لکھا ہے کہ ایکبار حجاج نے حکم دیدیا تھا کہ عشاء کے بعد جو آدمی سڑکوں پر چلتا ہوا نظر آئے گا اسکی گردن ماردیجائیگی، اس حکم کے بعد تین بچے پکڑے گئے۔ پہرہ داروں نے ان سے باز پرس کی تو تینوں نے دو دو شعر سنائے کہ پہرہ دار دھوکہ میں آگئے، اور ان کو حجاج کے سامنے پیش کیا، وہاں بھی ان تینوں نے اپنے وہی اشعار سنائے تیسرے لڑکے نے جو شعر سنائے تھے وہ یہ ہیں۔

انا ابن الذی خاض الصفوف لعزمہ[1]

وقومھا بالسیف حتی استقامت

رکاباہ لاتنفک رجلاہ منھما

اذا الخیل فی یوم الکریھۃ ولت

حجاج نے تحقیق کی تو معلوم ہوا وہ ایک بافندہ کا لڑکا ہے، حجاج ان لڑکوں کی فصاحت وبلاغت سے دنگ رہ گیا اور حاضرین دربار سے خطاب کر کے کہا کہ تم لوگ بھی اپنے لڑکوں کو اسی طرح علم وادب سکھاؤ، خدا کی قسم اگر ان لڑکوں میں فصاحت وبلاغت کا یہ جوہر نہ ہوتا تو میں ان کی گردنیں اڑا دیتا۔

آسوئیو کے ایک صاحب دل حائک

حضرت بندگی عبدالقدوس قدس سرہٗ انوار العیون میں لکھتے ہیں کہ "آسوئیو میں ایک بافندہ رہتے تھے، وہ شیخ سماء الدین ردولوی (خلیفہ سید اشرف جہانگیر سمنانی) کے مرید تھے لیکن کبھی کبھی شیخ العالم شیخ احمد عبدالحق ردولوی کی خانقاہ میں بھی آیا کرتے تھے ایک دن انھوں نے شیخ العالم سے عرض کیا کہ مخدوم! حضرت کی خانقاہ میں جو چیز دیکھتے ہیں وہ اپنے پیر کی خانقاہ میں نہیں دیکھتے۔ شیخ العالم نے فرمایا کہ درویشی اور چیز ہے، اور مولویت دوسری چیز ہے" اسکے بعد وہ بافندہ صاحب شیخ العالم کے مرید ہو گئے اور شیخ العالم نے انکو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرائی۔

یمن کے ایک بافندہ ولی

سید عبدالقادر عیدروس اپنی نادر کتاب النور السافر ص۲۵۴ مطبوعہ بغداد میں بضمن حالات علامہ محقق و

---

[1] میں وہ شخص ہوں جو اپنے عزم وحوصلے سے صفوں میں کود پڑا، اور ان کو اپنی تلوار سے سیدھی کردیا، یہاں تک کہ وہ سیدھی ہو گئیں، جب میدان جنگ سے فوجیں پیٹھ پھیر لیتی ہیں اس وقت بھی اس کے قدم نہیں لڑکھڑاتے۔ (مسعود)

عارف مدقق، ولی کامل شیخ احمد بن علی مرجانی حنفی تحریر فرماتے ہیں، کہ
ایک دن کسی نے شیخ احمد کو سے یہ بیان کیا کہ جناب کے پڑوس میں ایک باشندہ رہتے ہیں، جو طلوع آفتاب کے بعد قرآن پاک پڑھنا شروع کرتے ہیں، اور ظہر کے بعد تک روزانہ ستر ختم کرتے ہیں، شیخ کے دل میں ان باشندہ کی بے حد عظمت پیدا ہوئی، فرمایا کہ (ولی و بزرگ باخدا شخص) ہمارے پڑوس میں رہتا ہے اور ہمکو اطلاع نہیں ہے دوسرے دن بہت سویرے ان باشندہ کے گھر تشریف لے گئے، باشندہ صاحب اس وقت تانی درست کر رہے تھے، اتنے بڑے شیخ کو اپنے گھر آتا دیکھ کر بہت خوش ہوئے، نہایت خوشی اور تعظیم واکرام سے شیخ کو مرحبا کہا، شیخ نے ان سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ روزانہ قرآن پاک کے اتنے ختم کر ڈالتے ہیں، باشندہ بزرگ نے جواب دیا کہ جی ہاں ستر ختم ہو جاتے ہیں، شیخ نے پوچھا، ابھی آج شروع کیا ہے یا نہیں؟ باشندہ بزرگ نے کہا کہ تانی درست کر کے ابھی بیٹھتا ہوں تو شروع کرتا ہوں، شیخ نے کہا میں چاہتا ہوں کہ آج ہم آپ دونوں ایک ساتھ شروع کریں، آپ کب تک ستر پورا کریں گے؟ باشندہ بزرگ نے بتایا کہ فلاں وقت تک، اس کے بعد شیخ انتظار میں بیٹھے رہے، جب وہ تانی درست کر کے بیٹھے اور قرآن پڑھنا شروع کیا، تو شیخ نے بھی شروع کیا اور شروع کر کے اپنے گھر چلے آئے پھر جب وہ وقت آیا جو باشندہ بزرگ نے بتایا تھا کہ اس وقت تک ختم کر لیتا ہوں، تو شیخ دوبارہ ان کے گھر آئے اور حال دریافت کیا تو باشندہ بزرگ نے فرمایا کہ آج تو جناب کی آمد کی برکت سے کچھ ختم زیادہ کئے، شیخ نے کہا کہ اور میں نے ستر پورے کر لئے۔

سید عبدالقادر عیدروس اس واقعہ کو لکھکر فرماتے ہیں کہ یہ کرامت ہے اور وقت میں برکت ہونا کچھ مستبعد نہیں ہے۔

بی بی فاطمہ سپیدباف

سنام میں ایک بیوہ عورت تھیں ان کا نام بی بی فاطمہ تھا، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ انوار العیون میں فرماتے ہیں۔

آں عورت پسراں داشت کہ کسب سپید بافی می کردند واں عورت مشغول بحق می بود و اللہ از اولیائے حق بود۔

ان بی بی کے لڑکے تھے جو سپید بافی کا کام کرتے تھے اور وہ عورت مشغول بحق رہتی تھیں خدا کی قسم کہ وہ ولی تھیں۔

شیخ فرماتے ہیں کہ شیخ العالم شیخ احمد عبدالحق رودولوی کو بیٹے کی طرح مانتی تھیں اور شیخ العالم مرید ہونے کے بعد انھیں کے گھر رہتے تھے، خود شیخ العالم کا بیان ہے کہ رات کو تہجد اور عبادت کیلئے اٹھنے میں میں ان پر کبھی سبقت نہ پا سکا، میں جس وقت بھی اٹھتا اور چاہتا تھا کہ انکو کوئی زحمت نہ ہو تو دیکھتا تھا کہ وہ بیٹھی ہوئی ذکر الٰہی میں مشغول ہیں، اور مجھے دیکھتے ہی فرماتی تھیں کہ گرم پانی موجود ہے، ٹھنڈے پانی سے وضو نہ کرنا، شیخ فرماتے تھے کہ وہ ایسی پارسا عورت تھیں کہ مردوں کو بھی انھوں نے شرما دیا تھا (انوار العیون مصنفہ شیخ عبدالقدوس)

بی بی زلیخا

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی والدہ محترمہ تھیں، نہایت خدا رسیدہ اور ولیہ کاملہ تھیں، فوائد الفواد، اور اخبار الاخیار میں آپکے حالات وکرامات کی تفصیل مذکور ہے، آپ کی باتوں کا واقعہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی زبانی سنئے:

چوں شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ تحصیل علم تمام کرد، والدہ او بدست خود ریسیدہ دستارے ازاں بافید، و طعامے ترتیب داد و علماء ومشائخ شہر را دعوت کرد، شیخ نظام الدین دستار برکف دست مبارک کردہ در مجلس درآمد و پیش شیخ علی نہاد، شیخ علی یک سر دستار بدست خود گرفت و دوم سر بدست شیخ نظام الدین داد و آں دستار کرامت بر سر بست و سر در قدم خواجہ علی نہاد و خواجہ علی او را دعا کرد کہ حق تعالیٰ ترا از علمائے دین گرداند و بمنتہائے ہمت برساند۔

جب شیخ نظام الدین اولیاء، تحصیل علم سے فارغ ہوئے تو ان کی والدہ نے اپنے ہاتھ سے سوت کاتا اور اس سے ایک پگڑی بنکر تیار کی، اور کھانا پکوا کر علماء (بلادیں) کے علماء ومشائخ کی دعوت کی، شیخ نظام الدین ہتھیلی پر پگڑی رکھے ہوئے مجلس میں آئے، اور شیخ علی کے آگے رکھدی، شیخ علی نے پگڑی کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں لیا اور دوسرا سرا شیخ نظام الدین کو دیا، انھوں نے وہ دستار کرامت سر پر باندھی، اور خواجہ علی کے قدموں میں سر ڈالدیا، خواجہ علی نے ان کو دعا دی کہ حق تعالیٰ تم کو علمائے دین میں سے بنائے، اور منتہائے ہمت کو پہونچائے۔

(اخبار الاخیار ص)

فائدہ یہاں یہ بتا دینا بھی خالی از فائدہ نہیں ہے کہ یہ خواجہ علی جن کے قدموں میں سلطان المشائخ

نے باوجود شرف سیادت[1] وپیرزادگی اپنا سر ڈالا تھا، ڈاکو اور قوم کے شیر فروش (دابیر یا گوالا) تھے، حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کی نظر کیمیا اثر سے مسلمان ہوئے اور ایک لاکھ چیتل شیخ کی نذر کیا، شیخ نے ان کا نام علی رکھا، جب تک شیخ بدایوں میں رہے انکی خدمت کرتے رہے جب لکھنوتی کیطرف روانہ ہوئے تو خواجہ علی بھی ساتھ ہوئے، لیکن شیخ نے یہ کہکر انکو واپس کر دیا کہ بدایوں کو تمہاری پناہ میں چھوڑتا ہوں (اخبار الاخیار ص۴۲ وفوائد الفواد)

زینب بنت الباعونی

نجم غزی نے ان کو الفاضلۃ البارعۃ لکھا ہے یعنی فائق فاضلہ، یہ سید احمد نقیب الاشراف کے صاحبزادہ عبدالوہاب کی والدہ تھیں، عبدالوہاب کا تذکرہ کواکب ص۲۵۵ ج۱ میں ملاحظہ کیا جائے۔

زینب، ناصر باعونی (حائک) کی اولاد میں ہیں، ناصر کے حائک ہونیکا ثبوت احمد بن ناصر کے حال میں دیکھو۔

عائشہ باعونیہ

ان کا ذکر غزی نے کواکب میں اور ابن العماد نے شذرات الذھب میں کیا ہے، یہ یوسف ابن احمد بن ناصر کی صاحبزادی تھیں۔

تنبیہات وتوضیحات

(۱) قزین ص۳۵ اس لفظ کے معنی ہیں قز سے تیار کیا ہوا کپڑا اور قز کو غیاث اللغات میں کژ کا معرب بنایا گیا ہے اور قز کم قیمت کچے ابریشم کی ایک قسم ہے، قزین کو قزاگند بھی کہتے ہیں حاشیۂ طبقات الصوفیہ از امالی شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری مطبوعہ کابل میں لفظ

---

[1] عام طور پر سلطان جی کا سید ہونا مشہور ہے، اگرچہ اسکے خلاف بھی کتابوں میں مذکور ہے، شیخ ملا جامی نے نفحات الانس میں اور خواجہ محمد ہاشم کشمی نے زبدۃ المقامات میں آپ کو خالدی لکھا ہے۔

تمز کو بھی تمز کا ہم معنی بتایا گیا ہے۔

(۲) عمری ۔ اس لفظ کی ایک تشریح ہم نے صفحہ ۹۴ میں کی ہے دوسری تشریح تبصیر المنتبہ کے حواشی میں یہ کی گئی ہے کہ عمر نام کی ایک طرح کی کھجور ہوتی ہے، اور کسی نے کہا کہ کھجور کے درختوں کی ایک قسم ہے، بعض لغویوں نے اس کا تلفظ عُمُر اور عَمُر بھی بتایا ہے اور اسی بنیاد پر محشی نے اسی قسم کی کھجوروں یا کھجور کے درختوں کے بیچنے والے کو عُمری قرار دیا ہے مگر یہ ہمارے نزدیک بعید از قیاس ہے اور اس کی تیسری تفسیر ڈاکٹر مصطفیٰ جواد نے یہ کی ہے کہ عُمَر عمرہ کی جمع ہے یعنی وہ عمرہ جو حج کا قرین ہے ان کا کہنا ہے کہ جس عالم کے بارے میں یہ کہا گیا ہے۔ (کان یکتب العمر و یبیعہا) تو شاید اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ عمرے کی کیفیت یعنی طریقہ ان لوگوں کو جو اس کا طریقہ نہیں جانتے تھے لکھ کر دیا کرتے تھے اور اس کی کچھ قیمت لیا کرتے تھے۔ (کیوں کہ) دوسرا کوئی ذریعۂ معاش نہ تھا دیکھیے (المختصر المحتاج الیہ حصہ سوم حاشیہ ص۲ ۔

تتمہ ۱۰۱

عبدالرحمٰن دمشقی نسّاج

عبدالرحمٰن بن عمرو کا ذکر حافظ منذری نے بھی تکملہ میں کیا ہے مگر اس میں عمرو کے بجائے عمر ہے، لکھا ہے شیخ صالح عبدالرحمٰن بن عمر بن عبدالرحمٰن ابی منصور دمشقی نسّاج (بافندہ) نے ۷ رصفر ۶۲۳ھ کو دمشق میں وفات پائی۔ حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن (ابن عساکر) وغیرہ سے حدیثوں کی روایت کی، ہم کو ان سے اجازت حاصل ہے، اجازت نامہ کئی بار دمشق سے لکھ کر آیا، ایک اجازت نامہ کی تاریخ ۶۲۹ھ ہے۔ (تکملہ ص۱۵۲) ان کا ذکر حافظ ذہبی کی تاریخ الاسلام میں بھی ہے۔

دیگر نسّاج حضرات

۱۔ حافظ منذری کے ایک شیخ اجازت، اور حافظ ابو طاہر اصبہانی کے شاگرد احمد بن عمر بغدادی تھے، قاہرہ کے رہنے والے تھے، اپنے ماموں عبداللہ بن عبدالصمد سے حدیثوں کی روایت کرتے تھے، منذری نے ان کو شیخ صالح اور نساج لکھا ہے۔ (تکملہ ص۱۴ج۴) ان کی وفات ۶۱۳ھ میں ہوئی۔

۲۔ ابومنصور مقرب بن حسین نساج حافظ منذری نے ابوالفتح بروانی محدث کے مشائخ حدیث میں ان کا نام لیا ہے (تکملہ ص۹۶ج۱)

۳۔ شیخ ابوالربیع سلیمان بن داؤد بغدادی، حربی نساج کا ذکر حافظ منذری نے اپنی کتاب التکملہ میں کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کی ولادت تخمیناً ۵۵۰ھ میں ہوئی۔ انھوں نے ابوالحسن بن نغوبا سے حدیث کی سماعت کی کچھ حدیثیں بیان کیں اور سنائیں ہم کو بھی ان سے اجازت حدیث حاصل ہے، بغداد سے اجازت نامہ لکھ کر انھوں نے ہمارے پاس بھیجا ہے، ان کی وفات بغداد میں ۶۲۳ھ میں ہوئی، باب حرب میں مدفون ہوئے ان کا ذکر حافظ ذہبی نے بھی تاریخ الاسلام میں کیا ہے۔ (تکملہ ص۱۸۵)

شیخ ابواسحاق ابراہیم بن محمد بغدادی حربی، نساج۔ ان کے دادا برہان کے لقب سے مشہور رہے، ابومحمد وراق سے سماع حدیث حاصل تھا، محدث تھے ان سے لوگوں نے حدیثیں سنیں، حافظ منذری کو بھی انھوں نے تحریری اجازت نامہ دیا تھا، ان کی وفات ۶۲۹ھ میں ہوئی۔ تکملہ ص۲۴۔ حافظ ذہبی نے بھی ان کا تذکرہ تاریخ الاسلام میں کیا ہے۔

ضمیمہ
دنیا میں پارچہ بافی کے مرکز
از
محدثِ جلیل مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ

دنیا میں پارچہ بافی کے مرکز

جو حضرات تاریخی و جغرافیائی حالات میں شغف رکھتے ہیں ان کی دلچسپی کیلئے میں اس فصل کا اضافہ کرتا ہوں اور اس میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسلام کے بعد دنیا کے کس کس شہر یا جگہ نے پارچہ بافی کے لحاظ سے ناموری حاصل کی ہے اور اسی سے پارچہ بافوں کی کثرت تعداد کا بھی کچھ اندازہ لگایا جا سکیگا۔

مدینہ منورہ

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ عہد نبوی میں شاید پارچہ بافی نہیں ہوتی تھی۔ لیکن یہ خیال غلط ہے، احادیث و سیرے سے ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ میں متعدد گھرانوں میں یہ کام ہوتا تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری ج۱ ص۲۸۹ میں ایک انصاری خاتون کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک کپڑا پیش کرکے یہ کہنا مذکور ہے کہ انی نسجت ھذہ بیدی (میں نے اس کو اپنے ہاتھ سے بنا ہے)

مجمع الزوائد ج۵ ص۲۷ بحوالہ مسند امام احمد بسند صحیح مروی ہے خود سرکار رسالت کا ارشاد مروی ہے کہ مدینہ کی ایک خاتون اپنی دس بکریاں اور بننے کا ایک ازار گھر میں چھوڑ کر مسلمانوں کے ایک لشکر کے ساتھ لڑائی میں چلی گئیں، جب واپس آئیں تو دیکھا کہ ایک بکری اور بننے کا وہ ازار غائب ہے، انھوں نے خدا کی بارگاہ میں بالحاح وزاری یہ عرض کی کہ خداوندا تو نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والے سے اس کی پسماندہ چیزوں کی نگرانی و حفاظت کا وعدہ کیا ہے اور میری تو بکری اور میرا ازار گم ہو گیا۔ سرکار فرماتے ہیں کہ صبح ہوئی تو وہ دیکھتی ہیں ایک کی جگہ دو بکریاں اور دو ازار خدا نے ان کو واپس دے دیئے ہیں۔ روایت کا لفظ یہ ہے۔ وصیصتھا التی تنسج بھا (وہ ازار جس سے وہ بنتی تھیں)۔

کنز العمال وغیرہ میں ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کی وفات ایک ایسے مقام میں ہوئی جہاں آبادی نہیں تھی۔ مرنے کا وقت آیا تو ان کی بی بی کو فکر تھی کہ کفن کے لئے کوئی کپڑا نہیں ہے اتنے میں ایک قافلہ کا ادھر سے گذر ہوا اس میں ایک انصاری جوان تھے انھوں نے کہا کہ فکر مند ہونے کی بات نہیں ہے میرے

پاس دو کپڑے موجود ہیں جس کا سوت میری ماں نے کاتا ہے اور اسی نے ان کو بنا بھی ہے چنانچہ حضرت ابوذرؓ انھیں کپڑوں میں کفنائے گئے۔ اور اسی انصاری جوان نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ان کو دفنایا، مستدرک میں ہے کہ قافلہ والے کل یمنی تھے (کنز العمال صہ۱۶ مستدرک صہ۳۴۶) معلوم ہونا چاہیے کہ مدینہ کے تمام انصاری یمنی الاصل ہیں اور یمنی لوگ عام طور پر بننے کا کاروبار کرتے تھے جیساکہ ابھی معلوم ہوگا۔

معارج النبوہ صہ میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کا بیان ہے کہ من مرد ضعیف و بافندہ ام (میں کمزور مرد اور پارچہ باف ہوں) فدک (جو خیبر میں واقع ہے) میں کپڑے بنتے تھے، احادیث میں قطیفۂ فدکیہ کا ذکر موجود ہے (دیکھو) عرب میں عام ازیں کہ مدینہ ہو یا کوئی دوسری جگہ پارچہ بافی کے عام رواج ہونے کا بڑا زبردست ثبوت عربی لٹریچر ہے۔ عربی زبان میں پارچہ بافی کے تمام لوازم کے خالص عربی نام موجود ہیں۔ تفصیل کے لئے آلوسی کی کتاب بلوغ الارب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ عربی شعراء کے کلام میں بکثرت ایسی تشبیہات اور ایسے استعارات پائے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس صنعت کا وہاں بڑا کافی رواج تھا، شماخ کہتے ہیں ؎

قویرح اعوام کان لسانہ ۔ اذا صاح حلو زل عن ظہر

اور درید بن صمہ کہتا ہے ؎

فجئت الیہ والرماح تنوشہ ۔ کوقع الصیاصی فی النسیج الممدد

اور ذوالرمہ کہتا ہے ؎

بہ ملعب من معصفات لسجنہ ۔ کنسج الیمانی بردہ بالوشائع

یمن

یمن (عرب کا صوبہ) پارچہ بافی کا بہت بڑا مرکز ہے، عرب میں عموماً یمن ہی کا کپڑا استعمال ہوتا تھا، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بکثرت یمن ہی کا کپڑا پہنتے تھے، یمن کی بنی ہوئی حبرہ نامی دھاری دار چادر آپ کو بہت مرغوب تھی۔ صحیح بخاری صہ۴۳۲ میں ابوبردہ اشعری کا بیان مذکور ہے کہ ایک دن حضرت عائشہؓ نے ایک موٹے قسم کا تہمد (لنگی) جو یمن میں بنا جاتا ہے، نکال کر دکھایا اور فرمایا کہ

اسی کو پہنے ہوئے سرکار نے دنیا کو خیرباد کہا تھا ۔ صحیح بخاری ج۱ ص۱۶۹ میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کفن دیا گیا تھا وہ سحول کا بنا ہوا تھا (سحول یمن کا ایک قصبہ ہے جہاں سفید کپڑے تیار ہوتے تھے ۔ (حاشیہ بخاری)

احادیث میں معافری کپڑوں کا بار بار ذکر آیا ہے، خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ کپڑے استعمال بھی فرمائے ہیں (نہایہ) یہ معافر جس کی طرف یہ کپڑے منسوب ہیں یمن ہی کا ایک قبیلہ ہے ۔ (نہایہ وغیرہ) اور وہ ہمدان کی ایک شاخ ہے (قاموس) یہی قبیلہ یہ کپڑے بنتا تھا (مجمع الزوائد ج۱ ص۵۹)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے غیر مسلموں پر جزیہ مقرر کیا تو حضرت معاذ سے فرمایا کہ ہر بالغ آدمی سے ایک دینار یا ایک دینار کا معافری کپڑا وصول کرو (ترمذی ج۱ ص۸۰)

یمن پارچہ بافی کے لئے اتنا مشہور اور یمنی لوگ اس صنعت میں اتنے معروف تھے کہ ایک عربی شاعر اپنے ممدوح کی مدح میں لکھتا ہے ؎

اذا النفر السود الیمانون حاولوا   له نسج بردیه ارقوا واوسعوا

یعنی جب یمن کی سیاہ فام قوم ممدوح کے لئے اس کے جوڑے بننے کا ارادہ کرتی ہے تو باریک اور کشادہ بنتی ہے ۔ (کتاب البیان والتبیین للجاحظ ج۱ ص۱۲۹)
ذوالرمہ کا شعر بھی اوپر آپ پڑھ چکے ہیں ۔

قُدَم ایک قبیلہ ہے اور اسی قبیلہ کے نام سے یمن میں ایک خطہ بھی ہے ۔ قدمی کپڑے اسی قبیلہ کی طرف منسوب ہیں ۔ (معجم ج۷ ص۲)

قبیلہ کندہ اور قبیلہ اشعر دونوں یمنی قبیلے ہیں، اور دونوں حیاکت (پارچہ بافی) میں بدنام ہیں ۔
عدن یمن ہی کا ایک شہر ہے، وہاں کا تہمد (لنگی) مشہور ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عدنی ازار پہنتے تھے ۔ (مجمع الزوائد ج۵ ص۱۲۲) یمن میں ایک جگہ سدیر ہے وہاں چادریں بنتی ہیں (قاموس)
یمنی چادروں میں ایک چادر سدیری کہلاتی ہے جو یمن کے کسی شخص یا جگہ کی طرف منسوب ہے (قاموس) تزید بن حلوان کی نسبت سے ایک چادر کا نام تزیدی ہے، غالباً یہ تزید بھی یمنی شخص ہے ۔ (قاموس) ابوتمام اپنے قصیدہ کی تعریف میں

كشقيقة البرد المنمنم وشيها   في ارض مهرة او بلاد تزيد

بلاد تزید کی طرح ارض مہرہ بھی نواحی یمن میں ہے ۔ ثعالبی کہتے ہیں کہ یمن کی چادروں کی طرح تزید کی چادریں بھی ضرب المثل، اور عرب لوگ عمدہ بیش بہا چادروں کو تزید کی طرف منسوب کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ تزید ایک قبیلہ ہے، صاحب بن عباد کہتا ہے ۔ تزید علی ابراد ال تزید (م) اب معلوم ہوا کہ تزید قضاعہ کی شاخ ہے اور حضر جو جزیرہ (میسوپوٹامیا) میں واقع تھا ان کا مرکزی شہر تھا (معجم البلدان ص) نجران بھی یمن میں واقع ہے اور سنہ ھ میں فتح ہوا ہے (قاموس) نجران کے لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے جن شرائط پر صلح کی تھی، ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ نجرانی لوگ دو ہزار جوڑے سال میں ادا کیا کریں گے، ہر جوڑا چالیس درہم کی قیمت کا ہوگا۔ (فتوح البلدان ص)

نجرانی لوگ خلفائے عباسیہ کے عہد تک برابر کپڑے دیتے رہے۔ (فتوح البلدان ص) حتی کہ جب نجران سے کوفہ کی طرف جلا وطن ہو گئے جب بھی یہی معمول رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کی چادر بھی اوڑھی ہے۔ (بخاری ص)

بشاری لکھتا ہے یمن عصائب کی کان ہے (ص ۹) اور ہمدانی نے لکھا ہے کہ حرازہ، صحارہ عزاز، دمینہ اور یزداد وغیرہ بہت سے مواضع ہیں جہاں قبیلہ معافر کے لوگ آباد ہیں اور یہ سب معافر بن یعفر کی اولاد سے اور قبیلہ حمیر کی شاخ ہیں، حراز ہی میں منقش اور بوٹے دار چادریں بنتی ہیں (صفۃ جزیرۃ العرب ص ۹۹) نہایہ میں ہے کہ یمن میں عصب نامی چادریں بنتی ہیں ان کے سوت کو باندھ کر رنگتے اس کے بعد بنتے ہیں تو کپڑا موشی (جس کو آج کل چھنگی دار کہتے ہیں) ہو جاتا ہے، یمن کی ایک چادر یمنہ کہلاتی تھی، بحتری شاعر کہتا ہے ؎

جئناك بمحمل الفاظا مدبجة ۔۔۔ کانما وشیها من یمنة الیمن (ثمار القلوب ص)

ثعالبی نے لکھا ہے کہ یمن کی مشہور چیزوں میں وہاں کی چادریں ہیں، پھر لکھا ہے کہ دنیا میں بہترین پوشاکیں یمن کی چادریں، شام کا ریط (ایک قسم کی چادر) مصر کی زرار، دامغان کا کسار، آرمینیہ کے ازار بند اور قزوین کے پاتابے ہیں (ثمار القلوب ص) ثعالبی نے یہی لکھا ہے کہ جس طرح یونان کے حکیم اور چین کے اہل ہنر مشہور ہیں اسی طرح یمن کے بافندے مشہور ہیں (ثمار القلوب ص)

خلیفہ عباسی مہدی کے دربار میں ایک یمنی شخص نے اپنے مفاخر بیان کئے، اس کے بعد خالد بن صفوان نے اس کا جواب دیا تو خالد نے یمنیوں پر بافندگی کا آوازہ کسا (عقد فرید، ابن ابی الحدید ص ۹۹/۱۷)

ثمار القلوب ص۲۲۶)

عبدالملک بن مروان (اموی خلیفہ) نے ایک بار دریافت کیا کہ سب سے عمدہ رومال کون سا ہوتا ہے تو ایک نے کہا کہ یمن کے رومال ایسے ہوتے ہیں جیسے فصل ربیع کے پھول، دوسرے نے کہا کہ اور مصر کے رومال ایسے ہوتے ہیں جیسے انڈے کا چھلکا۔ (ثمار القلوب ص۱۶۲)

یمن کی ایک چادر حلۂ افوات کے نام سے مشہور ہے (نہایہ) اور اس کا ذکر حدیث میں آیا ہے۔

دثام قبیلہ حمیر کی ایک بستی ہے (قاموس) حموی نے لکھا ہے کہ رثام ایک موضع ہے جہاں وشی (منقش کپڑے) بنے جاتے ہیں (معجم البلدان ص۲۳۲/۴) حموی کا بیان ہے کہ عربی عورت جو کپڑا بنتی تھی اس نے اپنے تھان کی تعریف میں کہا ہے ؎

لا تستطیع مثلها بنت امہ　　لشقتی اعظم من بطن الرس مہ

الاکعاب طفلة مقومه (معجم البلدان ص۲۹۲/۴)

ریدة یمن میں صنعاء سے ایک دن کی مسافت پر ایک شہر ہے وہاں کے لوگ وشی بنتے تھے۔ طرفہ کہتا ہے ؎

یمان دشتة ریدة وسحول　　دبالسفح آیات کان رسومها

حموی نے کہا مراد اہل ریدۃ و اہل سحول ہے۔ (معجم ص۳۴۸/۴) اور ابو طالب کا شعر ہے ؎

کستهم حبورا ریدة ومعافر　　فیصبح آل اللہ بیضا کانها

ان اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ قبیلۂ معافر، اہل سحول اور اہل ریدہ سب بافندے تھے، ہمدانی کے بیان کے مطابق ریدہ میں ہمدانی لوگ آباد تھے۔ (معجم ص۳۴۹/۴)

ثرداء یمامہ میں واقع ہے، اس کی طرف حمید بن ثور ہلالی شاعر نے چادروں کی نسبت کی ہے۔ (معجم ص۱۱/۳)

عراق

بصرہ کا تسری اور سوتی کپڑا، چادریں اور ازار مشہور ہیں ابلہ میں کتان کے بہت اونچے کپڑے، کوفہ میں تسر کے عمامے نہایت عمدہ اور بغداد میں ریشم وغیرہ کے کپڑے نیز

عبادانی، سامان ، ازار، اور یکانکی عمامے نہایت عمدہ بنتے ہیں، کوفہ کے نسری عماموں کی نسبت بشاری لکھتا ہے کہ اس کی نظیر دنیا میں نہیں ہوتی اس کو سکب کہتے ہیں نعمانیہ میں اونی چادر اور صوف کے مسلی عمدہ کپڑے بنتے ہیں ، قصری رومال بوبیی اور واسطی پردے بہت ہی مشہور ہیں ، قصر ہبیرہ میں نہایت کثرت سے پارچہ باف آباد تھے ۔ (سفرنامہ بشاری صـ ۱۲۱)

بغداد سے چالیس میل پر باقدار ایک گاؤں ہے وہاں روئی کے موٹے ٹھوس کپڑے بنتے ہیں اور بغداد میں وہ ضرب المثل ہیں ۔ (معجم صـ ۴۳ ج ۲)

بغداد میں دار القز اور دار القطن کے نام سے دو محلے آباد تھے، جن کے نام ہی بتاتے ہیں کہ اول میں ریشمی اور ثانی میں سوتی کپڑے تیار ہوتے ہیں ۔

حموی نے لکھا ہے کہ نواحی کوفہ میں نرس نامی ایک نہر ہے اس پر کئی گاؤں آباد ہیں، اسی کی نسبت سے نرسی نام کی ایک قوم اور نرسی کپڑے مشہور ہیں ۔ (معجم صـ ۲۷۹ ج ۸)

بادرایا بغداد و واسط کے درمیان ایک شہر ہے اور بندنیجیں کے قریب باکسایا ایک جگہ ہے کہتے ہیں کہ قباد نے جب اپنے ملک آباد کیا ہے تو ان جگہوں میں بافندوں اور پچھنا لگانے والوں کو لاکر آباد کیا ۔ (معجم صـ ۴۵ ج ۲)

بغداد ایک محلہ التستریون ہے اس میں تستر کے لوگ آباد ہیں اور وہاں تستری کپڑے بنتے ہیں ۔ (معجم صـ ۲۸۹ ج ۲) ظن غالب ہے کہ حموی نے اس محلہ کے جن لوگوں کے نام لکھے ہیں وہ سب بافندہ ہیں ۔

جزیرہ و میسوپوٹامیا

آمد سے اون اور کتان کے صقلی ساخت کے کپڑے باہر جاتے تھے (بشاری صـ ۱۴۵)

ملطیہ میں بارہ ہزار بننے کے کارخانے تھے (خریدۃ العجائب صـ ۴۳)

ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ماردین میں اس اون کے کپڑے بنتے ہیں جس کو مرعز کہتے ہیں ۔ (ابن بطوطہ صـ ۱۵۰) آج بھی موصل میں بننے کے کارخانے ہیں اور وہاں کے سب سے بڑے عالم پہلے بافندہ ہی تھے ۔ (دیکھو دیار عرب میں)

عراق عجم، فارس اور بخارا وغیرہ

بشاری لکھتا ہے کہ قائن کی عام آبادی پارچہ باف ہے قون میں بھی زیادہ تر پارچہ باف ہی آباد ہیں اور بڑی آباد جگہ ہے، قون میں علماء اور اکابر بھی ہیں، قائن سے بہت کپڑا باہر جاتا ہے۔ زوزن بھی بڑا آباد شہر ہے اور پارچہ بافوں کی یہاں بھی بڑی کثرت ہے، باخرز اور ازاد وار سے بہت کپڑا دوسرے ملکوں کو جاتا ہے۔ بیہق میں دو شہر ہیں اور اس کے ساتھ بہت سے قصبات ملحق ہیں، وہاں سے کپڑا باہر جاتا ہے، دستوا کا بھی یہی حال ہے۔

نیشاپور[1] سے سفید خفی کپڑے، بیاف، شہجانی عمامے، راختہ، تافتہ[2]، مقنع[3]، ملّم[4]، مصمت[5]، عتابی[6]، سعیدی، طرائفی، شلی، حلّے اور سوت یا بال کے دوسرے اونچے کپڑے نسا اور ابیورد سے ریشم کے کپڑے اور زنیفت، نیز نسا سے نیبوزی اور اس کے دیہات سے موٹے بھدے کپڑے نہایت کثرت سے دور دور جاتے ہیں۔ ثعالبی لکھتا ہے کہ نیشاپور کی مخصوص

ع ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ نیشاپور میں نخ اور کمخا وغیرہ کے ریشمی کپڑے بنتے ہیں اور ہندوستان جاتے ہیں۔ (صفحہ ۲۵۲/۲) سنہرے ریشم کو نخ کہتے ہیں (ابن بطوطہ صفحہ ۱۹۴/۲) اور کمخا کی نسبت لکھا ہے کہ ریشمی کپڑے ہوتے ہیں جو بغداد تبریز، نیشاپور اور چین میں بنتے ہیں (صفحہ ۱۹۴/۲)

[1] ثعالبی نے لکھا ہے کہ خراسان سے جو بہت گف اور عمدہ بنارٹ کا کپڑا عرب جاتا تھا، اس کو عرب لوگ مروی کہتے تھے، اور جو ہلکا اور باریک ہوتا تھا اس کو شاہجانی کہتے تھے۔ (ثمار القلوب صفحہ ۴۲۱)

[2] تافتہ ریشمی قماش (غیاث) [3] مقنع جس کپڑے سے عورت سر چھپاتی ہے، اوڑھنی یا دوپٹہ (قاموس)

[4] ملّم ایک قسم کا ریشمی کپڑا جو نہایت ملائم ہوتا ہے (غیاث) [5] مصمت کی نسبت قاموس میں لکھا ہے کہ ایک رنگ کا کپڑا جس میں دوسرا کوئی رنگ نہ ہو، اور نہایہ میں ہے کہ خالص ریشمی جس میں کوئی دوسری چیز نہ ہو۔

[6] عتابی، خارا کی ایک قسم ہے اور خارا ریشمی کپڑا صوف کی طرح موجدار ہوتا ہے (غیاث)

چیزوں میں وہاں کا تافتہ، داختہ، مصمت اور جنبی کپڑا ہے۔ بالی حلے، قوابی اور سقلاطونی[1] میں نیشاپور کے ہم پلہ بغداد اور اصبہان بھی ہیں۔ ثعالبی کہتا ہے کہ مشہور سابری کپڑا[2] بھی درحقیقت نیشاپور ہی کی طرف منسوب ہے۔ ہرات سے سوتی کپڑے اور معمول دیبا۔ مرو سے تم اور ریشم کے مقنع۔ قوہستان سے نیشاپور کی طرح کے کپڑے اور مصلے۔ بلخ سے جربانی ساخت کے وقایات، چادریں اور حلے، غرج الشار سے عمدہ قسم کے فرش، بخارا سے نرم کپڑے، مصلے، فرش اور اشمونی کپڑے، کرمینیہ سے رومال، دبوسیہ اور وذارت سے وذاری کپڑے مصمت رنگ کے جن کا نام بعض شاہان بغداد نے خراسان کا دیبار کھا تھا، دبجن سے جاڑوں کے ازار اور مصلے، خوارزم سے کیمخت[3]، بلغار سے چادریں، فرش، لحاف کے کپڑے دیباے پیشکش اور آرنج کے کپڑے، سمرقند سے سیمگوں اور سمرقندی کپڑے، وزک اور نباکث سے ترکستانی کپڑے، شاش سے کیمخت کی زینیں، ازار، مصلے اور بنیقات، طوس سے خوبصورت ازار بند اور عمدہ چادریں، فرغانہ اور اسبیجاب سے سفید کپڑے دوسرے ممالک کو جاتے ہیں نیشاپور کے دیواج اور طراز اور شہجانی کی نظیر دنیا میں نہیں ہوتی، اسی طرح شاش کے عمامے بھی بے مثل ہوتے ہیں۔

سمرقند سے دیبا بھی ترک کو جاتا ہے اور وہاں ایک سرخ کپڑا بنتا ہے جس کو ممرجل کہتے ہیں وہاں کے ایک کپڑے کا نام سینیزی بھی ہے۔

آمل طبرستان کا پایۂ تخت ہے یہاں نہایت عجیب اور عمدہ کپڑے تیار ہوتے ہیں، تجارت

---

[1] سقلاطون روم میں ایک شہر ہے، اس کی طرف کپڑوں کی نسبت ہوتی ہے (قاموس) [2] سابری باریک نرم و نازک کپڑے کو کہتے ہیں۔ (ثعالبی) ۱۱ منہ

[3] ثعالبی لکھتا ہے کہ ہرات کے سوتی کپڑے اور مبرم اور دیبا ساری دنیا میں جاتے ہیں (ثمار القلوب ص ۲۲۳) مبرم ایک کپڑا ہوتا ہے جس کا دھاگا دوہرا بٹا ہوا ہوتا ہے (حاشیہ ثمار القلوب) [4] ثعالبی لکھتا ہے کہ مرو کی خصوصیات میں سے وہاں کا قلم ہے ۱۲ منہ [5] کیمخت گورخر وغیرہ کا چمڑا جس کو دانہ دار بنا کر زنگاری رنگ لیتے ہیں اور برسات کے زمانے میں اس کی جوتیاں پہنتے ہیں (سعدی) کیمخت کا ذکر یہاں پر بالتبع کر دیا گیا ہے ورنہ وہ کپڑا نہیں ہے۔

کی بہت بڑی منڈی ہے، یہاں کے پارچہ باف نہایت ماہر اور ان کی بڑی شہرت ہے اور وہ سب تجارت کرتے ہیں۔ (بشاری ص ۳۵۹)

سالوس میں قلعہ ہے، یہاں علم کا بڑا چرچا ہے، اور بہت بیش قیمت کپڑے بنتے ہیں، استرآباد کی آب و ہوا بہت عمدہ ہے، یہاں کے باشندے عام طور پر ریشمی کپڑے بننے والے پارچہ باف ہیں اور اعلیٰ درجہ کے ماہر ہیں۔ (بشاری ص ۳۵۸)

قومس میں چھوٹے بڑے سوتی منقش اور سادے سفید رومال بنتے ہیں، بعض بعض رومال دو ہزار درہم کو بکتے ہیں، اونی چادریں، طیلسان اور اون کے باریک کپڑے بھی یہاں بنتے ہیں۔

جرجان کے لوگ ریشمی مقنع بناتے ہیں جو یمن جاتے ہیں[1] معمولی دیبا بھی بنتا ہے، طبرستان میں اونی چادریں بنتی ہیں جو فارس سے اچھی ہوتی ہیں۔ طیلسان بھی بنتا ہے، یہاں کے خیش کپڑے ساری دنیا میں جاتے ہیں، کمیں یہاں کا خیش[2] بکثرت بکتا ہے، لفافے بھی بنتے ہیں۔

بیسار میں بھی کپڑے بنائے جاتے ہیں دار زنگی والے اونی کپڑے بنتے ہیں۔

آرمینیہ سے بہت اونچی قسم کے پردے اور زلالی (فرش کے) کپڑے بکثرت باہر جاتے ہیں ثعالبی نے لکھا ہے کہ آرمینیہ کے خراج میں ہر سال آرمینی فرش بڑی تعداد میں، اور تیس عدد محفوری لبادے اور پانچ سو اسی ٹکڑے (تھان؟) رقم (ایک دھاری دار بوٹی دار ریشمی کپڑا ہوتا ہے، قاموس) کے بادشاہ کے پاس بھیجے جاتے تھے (ثمار القلوب ص ۲۲۷) ثعالبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ آرمینیہ کے فرش نہایت قیمتی فروش میں شمار کیے جاتے ہیں، جس طرح قالیقال (یا قالیقلا) کے زلالی اور میسان کے مطارح اور بغداد کا حصیر[3] اور نصیبین کے پردے بیش بہا سمجھے جاتے ہیں۔ (ثمار القلوب ص ۲۲۸)

برذعہ سے ریشم اور پردے کا کپڑا برآمد ہوتا ہے۔ یہاں اتوار کو ایک بازار لگتا ہے

---

۱ حموی کا بیان ہے کہ جرجان کے ریشمی کپڑے تمام آفاق میں جاتے ہیں (معجم البلدان ص ۳۳۰)

۲ خیش ایک کپڑا ہوتا ہے جس کی بناوٹ پتلی ہوتی ہے اور اس کا دھاگا موٹا موٹا کتان کے خراب حصے اور بچے ہوئے کتان سے تیار ہوتا ہے یا خوب موٹے عصب سے بنتا ہے (قاموس) ۱۲ منہ

۳ حصیر ایک بھڑکیلا بوٹی دار نہایت خوبصورت کپڑا ہوتا ہے (قاموس) ۱۲ منہ

جس کو کرکی کہتے ہیں، یہ اتنا مشہور ہے کہ وہاں اتوار کے دن کا نام ہی کرکی پڑگیا ہے، اس بازار میں ریشم اور کپڑے نہایت کثرت سے بکتے ہیں، یہاں کے ازار بند، محفوری[1]، قرمز اور گدے بے نظیر ہوتے ہیں۔ باب الابواب سے کتان کے کپڑے اور دبیل سے اون کے کپڑے، فرش گدے اور ازار بند جو نہایت قیمتی ہوتے ہیں باہر جاتے ہیں (سفرنامہ بشاری ص۳۸۰)

ستر کاشان کا ایک قصبہ ہے، وہاں لوگ اکثر قیمتی اونی چادریں اور خوبصورت طیلسان تیار کرتے ہیں۔ رے سے چادریں، اور سوتی کپڑے باہر جاتے ہیں (ثعالبی لکھتا ہے کہ رے کی چادریں یمن کی چادروں کی طرح موصوف و معروف ہیں، ان کو عدنی کہتے ہیں اس لئے کہ وہ عدن کی چادروں کے مشابہ ہوتی ہیں اور لکھتا ہے کہ رے کی خصوصیات میں سے وہاں کے عمدہ کپڑے ہیں۔ (ثمار القلوب ص۲۲۸)

قزوین سے اونی چادریں، یا تابے اور قسی کی قسم کے کپڑے اور قم سے ریشمی کپڑے اور ہمدان اور اس کے نواح سے سوتی کپڑے باہر جاتے ہیں (قم کی نسبت سرجان مالکم تاریخ ایران میں لکھا ہے سالہا کارگاہ حریر بافی آن شہر بغایت امتیاز و اشتہار داشت ص۲۲۱/ج۱)

اس ملک کی خاص چیزوں میں اصفہان کے حلّے اور قزوین کا قسی کپڑا ہے (سفرنامہ بشاری ص۳۹۶) دیلم کا ملک تو ریشم اور اون کا ملک ہی کہلاتا ہے، اس ملک میں بڑے بڑے کاریگر ہیں۔ یہاں کا کپڑا مصر و عراق میں مشہور ہے، بڑا قیمتی ہوتا ہے۔ (سفرنامہ بشاری ص۳۵۲)

خوزستان کا دیبا، تستری کپڑا اور رومی اور ریشم کا باریک کپڑا مشہور ہے، خوزستان کا ایک شہر بَصِنّا ہے جہاں کے پردوں کی نسبت بشاری لکھتا ہے کہ دنیا میں سدرۃ المنتہی پر پہونچے ہوئے ہیں، اور سوس کے تستری کپڑوں کی نظیر تو کسی دوسری جگہ دیکھی ہی نہیں گئی۔ بَصِنّا کے مرد و عورت سب انماط بنتے ہیں اور اون کاتتے ہیں، جندیسابور میں بیش قیمت کپڑوں کے بہت سے طراز (کارخانے) ہیں۔ تستر دیبا اور رومی کے بہتر سے بہتر پارچہ بافوں کی کان ہے، وہاں کا دیبا مصر و شام تک جاتا ہے، وہاں کے انماط اور سردی کپڑے

---

[1] محفورہ ساحل بحر روم پر ایک آبادی ہے وہاں فرش بنتے ہیں (قاموس) یہ نسبت اسی آبادی کی طرف ہے۔ ۱۲ منہ

نہایت عمدہ ہوتے ہیں اور باہر جاتے ہیں، تور میں بھی بکثرت طراز ہیں، اہواز تستری اور دیبا کی بہت بڑی منڈی ہے۔ دورق خیش کی کان ہے، عسکر کے ریشمی مقنعے اور دوسرے عمدہ پائدار کپڑے اور قصب کے کپڑے اور رومال وغیرہ بغداد جاتے ہیں، قرقوب کے انماط مشہور ہیں بصنا کے پردے اتنے مشہور اور نامی ہیں کہ واسط میں جو پردے بنتے ہیں ان پر لکھا ہوتا ہے عامل ببصنا (یعنی بصنا کا بنا ہوا Made in Basinna) ایسا کرنے سے وہ پردے اسی طرح خواہش سے بکتے ہیں جیسے بصنا کے مگر درحقیقت ویسے ہوتے نہیں[1]، اہواز میں ریشمی لنگیاں بہت خوبصورت تیار ہوتی ہیں۔ جس کو عورتیں پہنتی ہیں[2]، نہر تیری میں بڑے بڑے ازار بنتے ہیں۔

سوس کا تستری کپڑا (عماموں کو چھوڑ کر) وہاں کے خصائص میں شمار ہوتا ہے (ثعالبی کہتا ہے کہ تستر[3] کا دیبا اور سوس کا کپڑا دنیا کے نفائس میں شمار ہوتا ہے، کشاجم باغ کی تعریف میں کہتا ہے کان الذی دبجت تستر۔ وطرزت السوس فیہ نسج (ثمار القلوب ص۲۲۶) بشاری لکھتا ہے کہ ایران شہر کے کپڑوں میں بڑی چمک دمک ہوتی ہے، مصر و عراق کے لوگ تجمل و زینت کے مواقع پر ان کو استعمال کرتے ہیں۔ (بشاری ص۳۱۵)

ہرات کے کپڑے ساری دنیا میں جاتے ہیں؛ بم کے کپڑے دنیا میں مشہور ہیں اور وہاں کے اکثر باشندے پارچہ باف ہیں (سفرنامہ بشاری ص۲۹۱) (وذان ارض فارس میں کرمان کے قرب میں ایک چھوٹا سا شہر ہے حموی نے اس کو باندوں کی کان بتایا ہے۔ (معجم البلدان ص۴۹۱/ج۴) فارس کا ایک شہر دستوا ہے جس کی طرف دستوائی کپڑے منسوب ہیں، ہشام دستوائی مشہور محدث

---

[1] حموی نے لکھا ہے کہ بصنا نواحی اہواز میں چھوٹا سا شہر ہے وہاں کے تمام مرد و عورت اون کاتتے اور پردے اور گدے بنتے ہیں اللہ اسکی بعض لکھتے ہیں بصنا کے قریبی شہروں (مثلاً بردون اور کلیوان) میں بھی پردے بنے جاتے ہیں اور بصنا کے کہہ کر بیچے جاتے ہیں (معجم البلدان ص۲/۱)

[2] ابن الوردی نے لکھا ہے کہ اہوازی کپڑوں کی نظیر دنیا میں نہیں ہے، اسی طرح وہاں کے فرش، حلے، پردے اور بادشاہوں کی سواریوں میں جو کپڑے مستعمل ہوتے ہیں ان کی نظیر بھی نہیں ملتی (خریدۃ العجائب ص۹۰)

[3] حموی نے لکھا ہے کہ تستر میں بہت نفیس حلے اور کپڑے بنتے تھے (معجم ص۲۹/۲)

انھیں کپڑوں کو بیچنے کی وجہ سے دستوانی کہلائے۔ (معجم صفحہ ۵۹ / ۴) خوی از بیجان کے علاقہ میں ایک مشہور شہر ہے جہاں کے خوی کپڑے مشہور ہیں (معجم صفحہ ۹۴ / ۲) نونی کا بیان ہے کہ شاپور ذوالاکتاف نے جزیرہ و آمد وغیرہ بلاد روم سے جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد وہاں کے بہت سے باشندے کو منتقل کر کے خوزستان کے نواحی میں آباد کیا، وہ وہیں مقیم ہو گئے اور ان کی نسل چلی، اسی وقت سے تستر میں ریشمی کپڑوں کی قسمیں اور سوس میں خسری اور بلد بصنا اور متوث میں پردے اور فرش تیار ہو کر دوسرے شہروں کو سپلائی ہونے لگے۔ (معجم البلدان صفحہ ۸۹ / ۲)

بخارا کا بیت الطراز

ابو نصر قبادی لکھتا ہے کہ بخارا میں ایک بیت الطراز (اعلیٰ پارچہ بافی کا کارخانہ) تھا اور وہ آج بھی ہے، وہ کارگاہ حصار اور شہر کے درمیان جامع مسجد کے قریب واقع تھی، اس میں فرش کے مصرف کی چیزیں اور شادروان[1] بنایا جاتا تھا، خلفائے اسلام کے لئے اس میں تکیے کے غلاف، مصلے اور فندقی ویزدی کپڑے تیار ہوتے تھے، ایک ایک شاذروان پر بخارا کی پوری پوری رقم خراج صرف ہو جاتی تھی، ہر سال خلیفۂ اسلام کے حکم سے ایک مستقل حاکم صرف اس کام کے لئے بخارا آتا تھا کہ بخارا کا جتنا خراج ہو اس کے عوض یہ کپڑا لیجائے، پھر ایسا ہوا کہ یہ کارگاہ معطل ہو گئی، اور جو لوگ اس صنعت کے ماہر تھے ادھر اُدھر چلے گئے۔ بخارا میں اس صنعت کے بہت سے استاد تھے جو اس کام کے لئے مخصوص تھے، دوسرے ملکوں سے سوداگر یہاں آتے تھے اور جس طرح لوگ زندنیجی کپڑے لیجاتے ہیں یہ کپڑے بھی شام و مصر و روم تک لیجاتے تھے، بخارا کے سوا خراسان کے کسی شہر میں یہ کپڑے نہیں ملتے تھے۔ تعجب تو یہ ہے کہ بخارا ہی کے ماہرین صنعت خراسان گئے اور وہاں ساز و سامان درست کر کے انھوں نے یہ کپڑے تیار کئے تو اس آب و تاب کے نہ ہوئے، کوئی بادشاہ، امیر، رئیس اور صاحب منصب ایسا نہیں مل سکتا تھا جو یہ کپڑے رکھتا ہو۔ اس کا رنگ سرخ و سفید و سبز ہوتا تھا۔ آج تمام ملکوں میں زندنیجی اس کپڑے سے زیادہ مشہور ہے (تاریخ بخارا مطبوعہ ایران صفحہ ۱۹ مصنفہ ابو بکر نرشخی و مترجمہ ابو نصر قبادی)

---

[1] فرش، پردہ اور شامیانہ (غیاث) ۱۲ منہ

بلادِ مغرب

برقہ سے اون کے کپڑے اور چادریں دوسرے ملکوں کو جاتی ہیں، صقلیہ (سسلی) دھلے ہوئے عمدہ کپڑے برآمد ہوتے ہیں۔ اندلس سے بھی نہایت کثرت سے کپڑے باہر جاتے ہیں (بشاری ص۲۳۹) سوس، قصی کے کسا، اور دوسرے سوسی کپڑے دنیا میں مشہور ہیں (خریدہ العجائب ص۱۸) مریہ (اندلس) میں طراز (منقش کپڑوں) کے آٹھ سو کارخانے اور بہترین حریر دیبا کے ایک ہزار کارخانے تھے، اسی طرح سقلاطونی، جرجانی، اصبہانی، عتابی اور زرتار اور معاجر[1] وغیرہ کے بھی ایک ایک ہزار کارگاہیں تھیں (خریدۃ العجائب ص۲۴)[2] معفوری کپڑے کا نام اوپر آچکا ہے وہ بھی معفورہ نامی ایک شہر کی طرف منسوب ہے جو ساحل بحر روم پر واقع ہے (قاموس) روم کا دیبا خوبصورتی میں ضرب المثل ہے (ثمار القلوب ص۲۲۵) سقلاطونی کپڑا روم کے ایک شہر کی طرف منسوب ہے۔

بشاری لکھتا ہے کہ اقلیم مغرب کے عجائب میں سے بوقلموں ہے، بوقلموں دراصل ایک جانور کا نام ہے، دریا کے کنارے وہ اپنا جسم پتھر سے رگڑتا ہے تو اس سے ریشم کی طرح نرم و نازک سنہرے رنگ کا اون جھڑتا ہے، وہ نہایت قیمتی و کمیاب ہوتا ہے، اسی کو یکجا کر کے کپڑے بنے جاتے ہیں، جو دن میں کئی رنگ بدلتے ہیں، حکومت کی طرف سے اس کپڑے کو غیر ملک میں بھیجنے کی سخت ممانعت ہے، چوری سے چلا جائے تو چلا جائے، اس میں کا ایک ایک کپڑا بعض اوقات دس ہزار کو بکتا ہے۔

(سفرنامہ بشاری ص۲۴۱)

ایشیائے کوچک و ترکی

لاذقی نیں سوتی کپڑے جن میں سونے کے گل بوٹے ہوتے ہیں بنائے جاتے ہیں، ابن بطوطہ لکھتا ہے

---

[1] معجر کے معنی مقنع اور روپوشش کے ہیں (غیاث) ۱۲ منہ

[2] حموی نے لکھا ہے کہ مریہ میں منقش کپڑے اور دیبا بہت عمدہ بنایا جاتا ہے، پہلے قرطبہ میں بنتا تھا، بعد میں مریہ اس پر غالب آگیا اور پھر مریہ والوں کا سا عمدہ دیبا اندلس میں کہیں کے لوگ نہیں بناتے تھے (معجم البلدان ج۸ ص۲)

کران کپڑوں کی مثال نہیں ملتی، ان کا دھاگا بہت مضبوط، اور بہت عمدہ روئی کا ہوتا ہے اس لئے ان کپڑوں کی عمر بہت ہوتی ہے، اور یہ کپڑے لاذقی کی نسبت سے لاذقی کہلاتے ہیں، یہاں یہ کام اکثر رومی عورتیں کرتی ہیں (ص ۱۸۴/۱) اقصرا میں اقصرائی فرش بنتے ہیں، بھیڑوں کے اون سے تیار ہوتے ہیں۔ کسی اور شہر میں ان کی نظیر دستیاب نہیں ہوتی۔ اقصرا سے شام، مصر، عراق، ہندوستان، چین اور بلاد اتراک کو جاتے ہیں۔ (ابن بطوطہ ص ۱۸۸/۱)

ارزنجان میں بہت عمدہ کپڑے بنتے ہیں جو ارزنجانی کہلاتے ہیں (ابن بطوطہ ص ۱۹۰/۱)

قسطنطنیہ کا کارخانہ پارچہ بافی

قسطنطنیہ میں پارچہ بافی کا ایک شاہی کارخانہ نہایت شاندار ہے، جس کی نسبت بشاری لکھتا ہے کہ اس میں شاہی دیبا بنتا ہے، اور قسطنطنیہ میں یہ دستور ہے کہ تمام مسلمان قیدیوں کو صنعت و حرفت کے کاموں میں لگایا جاتا ہے۔

البانیہ

البانیہ کی عورتیں سینے پرونے اور بننے میں طاق ہوتی ہیں، سقوطری (البانیہ) بازار ہفتہ میں دوبار لگتا ہے اور پہاڑی عورتیں خرید و فروخت کے لئے وہاں جاتی ہیں اور وہاں اپنے ہاتھ کے بنے ہوئے کمبل اور کشیدہ کاری کی چیزیں فروخت کرتی ہیں۔ (اخبار مدینہ ۵ اگست ۱۹۲۷ء)

چین و خطا و ترکستان

زیتون چین میں بہت بڑا شہر ہے وہاں کمخا اور اطلس کے کپڑے بنتے ہیں اور زیتونی کہلاتے ہیں اور وہ خنساوی و خنبالقی کپڑوں سے بہتر ہوتے ہیں، زیتون کی بندرگاہ دنیا کی سب سے بڑی (ابن بطوطہ کے عہد میں) بندرگاہ تھی۔ (ابن بطوطہ ص ۱۹۲/۲)

خنسا ابن بطوطہ کے مشاہدہ میں دنیا کا سب سے بڑا شہر تھا، اس کے دارالامارہ میں پارچہ بافی اور اسلحہ سازی کے کارخانے تھے، جن میں نفیس کپڑے تیار ہوتے تھے، ان میں سو سو استاد تھے اور

ہر استاد کے ماتحت تین تین چار چار متعلم بھی تھے۔ (ابن بطوطہ ص۱۶۰ ج۲) اس کے علاوہ شہر میں بھی بڑے ماہر پارچہ باف آباد تھے اور خنساوی کپڑے بنتے تھے۔ (ابن بطوطہ ص۱۶۹ ج۲) ابن بطوطہ نے اس کو مملکت چین کا آخری شہر (یعنی مغرب کی طرف) لکھا ہے۔ اس کے بعد سے بلاد خطا شروع ہو جاتے ہیں، خان بالق جس کو خانقو بھی کہتے ہیں خنسا سے چوسٹھ دن کی مسافت پر ہے اور قان اعظم جو چین و خطا کا بادشاہ ہے اس کا پایہ تخت یہیں ہے۔ (ابن بطوطہ ص۱۶۸ ج۲) خان بالق میں کپڑے بنتے تھے اور خنبالقی کہلاتے تھے۔

طوخا (اس شہر کو ابن الوردی نے چین کے ضمن میں لکھا ہے) میں طوخی ریشمی کپڑے تیار ہوتے تھے جن کی مثال نہیں ملتی۔ (خریدہ ص۵۵)

تبت

تبت میں نہایت ٹھوس موٹے مگر بیش قیمت کپڑے بنتے تھے۔ (خریدۃ العجائب ص۵۱)

شام

شام کے شہروں میں فلسطین سے لنگیاں اور ملحم (کپڑے کی ایک قسم، قاموس) تیار ہو کر دوسری جگہوں میں جاتے تھے، طبریہ میں بھی کپڑے بنتے تھے، قدس میں روسوتی کپڑے اور بلیسی (کپڑے کی ایک قسم) تیار ہوتے تھے۔ دمشق میں دیبا تیار ہوتا تھا۔ حلب میں بھی کپڑے بنتے تھے۔ رملہ کے ازار (لنگیاں) بے نظیر ہوتے تھے اور عسقلان کا ریشمی کپڑا نہایت عمدہ ہوتا تھا۔
(سفرنامہ بشاری ص۱۴۳)

حلب سے دس میل پر ایک چھوٹا سا شہر باب یا باب بزاعہ نامی ہے وہاں سوتی کپڑا بہت تیار ہوتا تھا اور مصر و دمشق جاتا تھا اور بابی کہلاتا تھا۔ (معجم حموی ج۲ ص۹)

وادی السیر (عمان (مضافات شام) سے ... کیلومیٹر پورب تقریباً ۲۰۰ گھر کی آبادی ہے) وہاں کے باشندے کپڑے بنتے تھے، شیخ موسی ازہری کا بیان ہے کہ آج سے بیس سال پہلے میرے جسم پر جتنا کپڑا ہوتا تھا وہ سب میری ماں کے ہاتھ کا بنا ہوا ہوتا تھا (عامان فی عمان خیرالدین زرکلی)

زرکلی نے لکھا ہے کہ کان اهل وادی السیر یعنون بالحیاکۃ یعنی وادی السیر کے لوگ بنائی کرتے ہیں (ص۷۹)

رصافۂ ہشام بن عبد الملک رقہ سے بارہ میل پچھم، ہشام کی بسائی ہوئی ایک آبادی ہے وہاں کے باشندے اونی کسا بنانے میں بڑے ماہر تھے، حموی کا بیان ہے کہ ہر مرد چاہے غریب ہو یا امیر ہو پراون کاتتا تھا اوران کی عورتیں کسا بنتی تھیں۔ (معجم ص۲۵۵ ج۴)

مصر

فسطاط سے عمدہ بز (ایک کپڑا) کہیں نہیں ہوتا تھا تنیس میں رنگین چادریں اور دوسرے کپڑے تیار ہوتے تھے، (قاموس میں ہے کہ اس کی طرف بہت عمدہ کپڑے منسوب ہوتے ہیں اور معجم ص۱۸۱ ج۲ میں ہے کہ اس میں رنگین کپڑے اور بوقلموں فرش بنائے جاتے ہیں) فیوم میں معمولی کتان بنتا تھا۔ دمیاط کے پارچہ باف تنیس کے پارچہ بافوں سے زیادہ ماہر اور وہاں کا کپڑا یہاں کے کپڑے سے زیادہ اونچا ہوتا تھا، یہاں کتان کے نہایت نرم و نازک کپڑے بنتے تھے، شطا کا شطوی کپڑا مشہور ہے، طحا میں اون کے عمدہ کپڑے بنتے تھے۔ بہنسا[1] میں پردے، گدے اور کتان کے اونچے کپڑے تیار ہوتے تھے اور مصر سے سرخ استر کے کپڑے باہر جاتے تھے اور ہلمت و مثلث بھی یہاں سے سپلائی ہوتا تھا، مصر کے کپڑوں میں قبطی، ازار، خیش اور عبادانی بھی ہیں اور خیش تو مصر کا بے نظیر ہوتا ہے، اور شطوی تو ایسا قیمتی اور سود مند کپڑا ہے کہ حکومت کی طرف سے اس پر نہایت پابندیاں ہیں اور اس کی بڑی نگرانی ہوتی ہے۔ (سفر نامہ بشاری ص۲۰۰ تا ص۲۰۳) قسّی (کتان اور ریشم کا مخلوط کپڑا جس کا ذکر احادیث میں آتا ہے) مصر ہی کے ایک مقام قس کا بنا ہوا ہوتا ہے (نہایہ) مصر کے علاقہ میں اسوان بہت مشہور جگہ ہے یہاں لنگیاں بنتی تھیں (طالع سعید ص۲۸ و ص۳۷۹)

مصر کے اصلی باشندے قبطی لوگ عموماً کپڑا بنتے تھے اور قبطی کپڑا انہیں کی طرف منسوب ہے جو نہایت باریک اور سفید ہوتا تھا اور اس کا ذکر حدیثوں میں آیا ہے وہ حجاز میں بکثرت مستعمل تھا۔

---

[1] ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ بہنسا میں اون کے عمدہ کپڑے بنتے تھے (ابن بطوطہ ص۲۷)

تونہ، دمیاط و تنیس کے درمیان ایک جزیرہ ہے وہاں کا کپڑا اور طراز ضرب المثل ہے (معجم البلدان ص ۲۳۵/۲) محمد بن عمر مطرز کہتا ہے ؎

یا اهل تنّیس و تونة قاتلوا   مابین طرز کمد ذی الباس ی

(معجم ص ۲۲۶، ۲۷۰)

ابن الوردی کہتا ہے کہ اسکندریہ میں فاخر کپڑے بہت عجیب تیار ہوتے تھے (خریدة العجائب ص ۲۹)

حموی نے لکھا ہے کہ دمیاط شرب کے فائق کپڑوں کی تیاری کے لیے مخصوص تھا، یہ بھی لکھا ہے کہ دمیاط و تنیس میں اونچے قسم کے کپڑے بننے والے بہت معمولی قسم کے قبطی تھے جن کی خوراک و پوشاک نہایت گھٹیا ہوتی تھی اور گندے بھی تھے، باایں ہمہ ان کا بنا ہوا کپڑا جب تیار ہو کر نکلتا تھا تو ہاتھ میں لیتے ہی یہ یقین ہوتا تھا کہ وہ ند (ایک خوشبو) میں بسایا ہوا ہے، حموی کا بیان ہے کہ دمیاط کے قبلی جانب (پورب طرف) خلیج کے اوپر کچھ غرف (محل) بنے ہوئے تھے، جن کو باشندہ لوگ کرایہ پر لے کر ان میں کپڑے بنواتے تھے، ان غرفوں میں وہ کپڑے جتنے بہتر تیار ہوتے تھے دوسری جگہ ویسے نہیں بنتے تھے ابن زولاق مصری کہتا ہے کہ دمیاط میں ہر طرح کا قصب، لمی اور شرب تیار ہوتا ہے اور دمیاط کا سفید کپڑا جس میں سونا مطلقاً نہیں ہوتا تین سو دینار تک کو بکتا ہے۔ حموی کا بیان ہے کہ میں نے ثقہ تاجروں سے سنا ہے کہ ۲۹ھ میں دو دمیاطی حلے تین ہزار دینار کو فروخت ہوتے تھے، دوسرے کسی شہر میں اس کی نظیر نہیں سنی گئی۔ دمیاط میں قلمونی فرش ہر رنگ کا مُعلّم و مُطرّز اور تولیے۔ (مناشف الابدان) ایسے عمدہ بنتے ہیں کہ دنیا کے بادشاہوں کو ہدیہ میں بھیجے جاتے ہیں۔ (معجم البلدان ج ۴ ص ۸۹) دبقار (بقول حمزہ) یا دبیق (بقول حموی) تنیس کے قریب ایک شہر تھا جو اب ویران ہو گیا ہے، دبیقی کپڑے جن کا ذکر اشعار عرب میں آتا ہے اسی کی طرف منسوب ہیں۔ (معجم ص ۳۳/۴۳)

خلفائے عباسیہ کے زمانہ میں تنیس (جو دمیاط کے شمال میں مصر کا سرحدی شہر تھا) میں کعبہ شریف کا ریشمی سیاہ غلاف تیار ہوتا تھا۔ اور قیمتی کپڑوں کی صنعت میں تنیس کی بڑی شہرت تھی (مقریزی اور الرحلة الحجازیہ ص ۱۲۵) فاکہی مورخ نے تنیس کے بنے ہوئے غلاف کعبہ کا ٹکڑا خود دیکھا تھا جس پر من طراز تنیس (تنیس کے کارخانہ کا) بناوٹ میں لکھا ہوا تھا، اور اس کی بناوٹ میں

بستہ ۱۲ کی تاریخ بھی درج تھی ، اسی طرح تونہ میں بھی غلاف کعبہ کی تیاری ہوتی تھی ، اس کا ٹکڑا بھی فاکہی نے دیکھا تھا اس پر سنہ کی تاریخ بناوٹ میں تھی ۔

اب بھی مصر کے مقام خرنفش میں ایک نہایت کشادہ عمارت ہے ہر سال غلاف کعبہ بنایا جاتا ہے جس کا اہتمام سنہ ۱۳۲۸ھ میں عبداللہ فائق بک کے سپرد تھا اور ستر آدمی اس میں بنائی کے کام پر مقرر تھے ، جن کی اجرت اور ریشم کی قیمت میں گیارہ ہزار گیارہ سو مصری گنی صرف ہوتی تھی ۔ (الرحلہ الحجازیہ صفحہ ۱۲۷ - ۱۲۸)

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ ابیار میں بہت اچھے کپڑے تیار ہوتے جو مصر و شام و عراق وغیرہ میں بہت اونچی قیمت پر بکتے ہیں ۔ (ابن بطوطہ صفحہ ۱۵)

ہندوستان

ہندوستان زمانۂ قدیم سے پارچہ بافی کا بہت بڑا مرکز ہے ، تاریخوں میں خصوصیت سے ڈھاکہ کا ذکر نہایت جلی عنوان سے ملتا ہے ، علی شیر تحفۃ الکرام میں ڈھاکہ کے ذکر میں لکھتا ہے کہ بنگالہ میں ایسے باریک کپڑے تیار ہوتے تھے کہ فضا میں اڑا دیجئے تو بہت دیر تک وہ فضا میں رکے رہ جاتے تھے اور سپیدۂ صبح کی طرح معلوم ہوتے تھے ۔ حاکم بنگالہ سلیمان افغان کے بھائی تاج خاں نے مولانا غزالی کی خدمت میں ستائیس ہاتھ لمبا اور ڈیڑھ ہاتھ چوڑا رومال ہدیہ کیا تھا ، اس کا سوت اتنا باریک تھا کہ اتنا بڑا رومال مٹھی میں چھپ جاتا تھا ۔ (تحفۃ الکرام صفحہ ۲/۲۷) ڈھاکہ کے علاوہ سندھ وغیرہ میں بھی پارچہ بافی کا رواج بہت قدیم ہے ، سندھ سے دھاری دار لنگیاں یا کوئی دوسری قسم جس کو عربی فوطہ کہتے ہیں بلاد عرب تک جاتی تھی ۔ (قاموس) عرب و خراسان وغیرہ میں ایک اور ہندوستانی کپڑا جس کو زُطّی کہتے ہیں جاتا تھا ، مغرب کے مصنف وغیرہ نے لکھا ہے کہ زطّی کپڑے زط قوم کی طرف منسوب ہیں اور یہ ہندوستان کی ایک قوم ہے اور ریحان کے قول کے مطابق اس قوم کا مسکن لاہور ہے اور صاحب قاموس کی تحقیق میں وہ جت (یعنی جاٹ) قوم ہے ۔

ابن بطوطہ (سنہ ۷۲۵) کڑا مانک پور اور اس کے نواح کے باب میں لکھتا ہے کہ یہاں اونچے کپڑے بنتے ہیں اور یہیں سے دہلی لائے جاتے ہیں ۔ (صفحہ ۲/۴)

دکن کے باب میں فیضی لکھتا ہے کہ وہاں کی سب سے عمدہ چیز کپڑا ہے، جس کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ کاغذ ہے، عمدہ کپڑے دکن کے دو شہروں میں بنتے ہیں ایک پٹن دوسرا دولت آباد ۔

(لطیفہ فیاضی قلمی)